اردو زبان کی تدریس

معین الدین

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

اردو زبان کی تدریس

معین الدین

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
ویسٹ بلاک۔1، آر۔کے۔ پورم، نئی دہلی۔066 110

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1983
دوسری اشاعت	:	2004
تیسری طباعت	:	2009
تعداد	:	1100
قیمت	:	-/46 روپے
سلسلہ مطبوعات	:	289

Urdu Zaban Ki Tadrees
by Moienuddin

ISBN : 81-7587-274-8

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر۔کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066
فون نمبر: 26103938، 26103381، 26179657، فیکس: 26108159
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: ہائی ٹیک گرافکس، 167/8، سوناپریا چمبرس، جولینا، نئی دہلی۔110025
On 70 GSM TNPL (Tamil Nadu News Print and Papers Ltd.)

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور

پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گی کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

رشمی چودھری
ڈائرکٹر انچارج

فہرست

زبان

عام ملحوظات 9
اشاروں کی زبان 9
آوازوں کی زبان 12
علامتوں کی زبان 12
بولی اور زبان 12
مادری زبان 13
مادری زبان میں تعلیم کا مطالبہ 14

2 تدریسِ اردو کے مقاصد

عام ملحوظات 16
مقاصد کا تعین 18
تعلیمی مقاصد 18
عام مقاصد (پرائمری منزل، مڈل منزل، ثانوی منزل اور اعلیٰ ثانوی منزل) 19

3 تدریسِ نثر

عام ملحوظات 24
نصاب 25
معیار کی پستی 25
مقاصد 26
تمہید 27
نمونے کی بلند خوانی 28

تلفظ کی مشق 28

اخذِ معنی 29

خاموش مطالعہ 31

تفہیم عبارت 31

اسلوبِ بیان 32

زبان کا کام 32

انفرادی بلند خوانی 33

4 تدریسِ نظم

عام ملحوظات 34

معیار کی پستی 36

نصاب 37

انتخاب 37

مقاصد 38

تمہید 38

اعلانِ سبق 39

نمونے کی بلند خوانی 39

اجمالی جائزہ 40

تفصیلی جائزہ 40

استحسانِ نظم 41

اسلوبِ بیان 12

انفرادی بلند خوانی 42

5 تدریسِ غزل

عام ملحوظات 43

مقاصد 45

تمہید 45

اعلانِ سبق 46
نمونے کی بلند خوانی 46
جائزہ 46
استحسانِ غزل 47
اسلوبِ بیان 48
انفرادی بلند خوانی 49

6 تدریسِ انشا

عام ملحوظات 50
خصوصی مسائل 52
مقاصد 54
تقریری انشا 55
تحریری انشا 56
موضوع کا انتخاب 56
زبانی اظہارِ خیال 57
مضمون کا خاکہ 57
مضمون کے اجزا (آغاز، نفسِ مضمون، اختتام) 58
غلطیوں کی اصلاح 59

7 گرامر کی تدریس

عام ملحوظات 62
علم ہجا، صرف و نحو 64
استقرائی طریقہ 65
استخراجی طریقہ 66

8 مطالعہ

عام ملحوظات 68
خاموش مطالعہ 70

باواز بلند مطالعہ 72
مطالعہ اور تفہیم 75

9 نصاب

عام ملحوظات 79
تعین نصاب 82
ابتدائی منزل 82
درمیانی منزل 82
ثانوی منزل 82
حصول مقاصد (پڑھنا، لکھنا، گرامر) 83

10 درسی کتب

عام ملحوظات 85
موادِ مطالعہ 85
انتخاب مواد 86
مشقی سوالات 89
ظاہری پہلو
درسی کتب کا اندازۂ قدر (انتخاب، اصلاح، مطالعہ و تحقیق) 90

11 بچوں کا ادب

عام ملحوظات 92
بچوں کی کتابیں (ادب، معلومات، مشق) 93
بچوں کی نشوونما کی منزلیں 94

12 تدریس اردو (غیر اردو داں کے لیے)

عام ملحوظات 97
ہندی داں کو اردو پڑھانا 97
غیر ہندی داں کو اردو پڑھانا 98
بیرونی زبان کی حیثیت سے اردو پڑھانا 98

تدریس زبان میں لسانیات کی اہمیت 90

طریقۂ تدریس، گفتگو کا طریقہ 99

طریقۂ راست 102

ترجمے کا طریقہ 103

13 اندازۂ قدر

عام ملحوظات 105

موادِ مضمون کا انتخاب 105

تدریسی مقاصد 106

آموزشی تجربات 107

مدات کی قسمیں:- متبادل جواب مدات، تعدی انتخاب مدات، مماثل مدات، تکمیلی مدات۔ 108

تحصیلی جانچ کا نمونہ (پہلا حصہ، دوسرا حصہ، تیسرا حصہ، چوتھا حصہ، پانچواں حصہ) 110

14 امدادی سامان اور دیگر وسائل

عام ملحوظات 119

امدادی سامانِ تعلیم (تختۂ سیاہ، چارٹ اور تصاویر، پروجیکٹر، اپی ڈیاسکوپ، گراموفون و لنگوافون، ٹیپ ریکارڈر، ٹیلی ویژن فلم) 119

مدرسے کے دیگر وسائل (انجمن مباحثہ، دیواری رسالہ، بزمِ مباحثہ، مشاعرہ، بیت بازی، ڈرامے۔ 124

15 اشاراتِ سبق

عام ملحوظات 128

اسباق کے نمونے 131

۱

زبان

عام ملحوظات زبان، انسان کی صلاحیت نطق کا نام ہے، ابتدائے آفرینش سے ہی انسان نے زبان کو اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کی ترسیل اور اپنی سماجی اور معاشرتی ضرورتوں کی تسکین کا ذریعہ بنایا ہے۔ زبان دراصل سماجی اور معاشی ضرورتوں ہی کی ایجاد ہے۔ زبانوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں ضروریات کے پیش نظر زبان کی عہد بہ عہد ترقی ہوتی رہتی ہے لیکن ترسیل خیالات کے لیے انسان نے محض زبان ہی کا سہارا نہیں لیا بلکہ اشاروں سے بھی تبادلۂ خیال کا کام لیا ہے۔

زبان کیسے وجود میں آئی اس کا صحیح صحیح سراغ لگانا مشکل ہے لیکن یہ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے کہ ابتدائی انسان نے اپنی سماجی اور معاشی ضروریات اور جذباتی کیفیت کے اظہار کے لیے کچھ آوازیں نکالی ہوں گی اور جسمانی اشاروں کی مدد سے انسان کا مفہوم سمجھ لیا ہوگا۔ آگے چل کر مختلف آوازوں اور اشاروں کے معنی متعین ہوگئے ہوں گے اس طرح تبادلۂ خیالات کے دوران زبان وجود میں آگئی ہوگی اور بعد میں بول چال کی زبان نے تحریری شکل اختیار کرلی ہوگی۔ لہٰذا زبان کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) اشاروں کی زبان
(2) آوازوں کی زبان
(3) علامتوں کی زبان

اشاروں کی زبان اشاروں کے ذریعے ترسیل خیالات، مطالعے کا ایک دلچسپ موضوع ہے اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کا یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس کا گفتگو یا تحریر سے کوئی واسطہ نہیں اس میں فرد، ہاتھ، آنکھ یا سر کے اشاروں سے اپنے خیالات،

محسوسات اور جذبات کو دوسروں تک پہنچاتا ہے لیکن دشواری یہ ہے کہ اشاروں کے مفہوم میں کبھی ممالک اور کبھی قوموں کے درمیان فرق پایا جاتا ہے اس لیے وسیع پیمانے پر اس کا استعمال دشوار ہے۔

ماہرین کا خیال ہے کہ اشاروں کی زبان، آواز کی زبان (تقریر) اور علامات کی زبان (تحریر) سے کم سے کم دس لاکھ برس قدیم ہے۔ عالم گیر سطح پر اس کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اشارات کی زبان کا ذخیرہ بھی بہت وسیع ہے۔ اس کی عام طور پر تین قسمیں بتائی جاتی ہیں۔ (۱) وہ اشارے جنھیں آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ ان اشاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ان میں چہرہ، ہاتھ، سر اور انگلیوں کی جنبش شامل ہے۔ (۲) اشاروں کی دوسری قسم وہ ہے جن کو کان سے سُنا جاسکتا ہے جیسے چٹکی بجانا، سیٹی بجانا وغیرہ۔ (۳) وہ اشارے جن میں اظہار مطلب لمس کے ذریعے کیا جاتا ہے جیسے کہنی مارنا، ہاتھ دبانا وغیرہ لیکن ان کا استعمال بہت محدود ہے۔

اشارات کی زبان کو تقریر میں بطور ایک امدادی وسیلہ استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس اعتبار سے اشارات کی زبان کو آواز کی زبان پر فوقیت حاصل ہے کہ ایک ہی اشارے سے پورا مفہوم ادا ہو جاتا ہے جبکہ زبان کے ذریعے اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے پورا جملہ بولنا پڑتا ہے۔

اگر مختلف ممالک میں اشارات کی زبان کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں اس کا استعمال بہت عام رہا ہے۔ قدیم یونان میں سر جھکا کر اشارہ کرنے سے 'ہاں' کا مفہوم ادا کیا جاتا تھا۔ ہندوستان کے بعض علاقوں میں آج بھی نیچے کی طرف سر جھکانے سے 'ہاں' کا اور دائیں بائیں سر ہلانے سے 'نہیں' کا مفہوم ادا ہوتا ہے۔ امریکہ میں 'خدا حافظ' کہنے کے لیے ہتھیلی کو نیچے کی جانب جھکا دیتے ہیں اور یورپ میں ہتھیلی اوپر کر کے انگلیوں کو آگے پیچھے جنبش دے کر "قریب" آنے کا اشارہ کرتے ہیں۔ جاپان اور کوریا میں تقریباً دو سو ایسے اشارات رائج ہیں جن سے محبت کے مختلف پہلوؤں کا اظہار ہوتا ہے۔ غرض ہر ملک میں اشارات کا ایک اپنا نظام ہے۔

دولسانی اور کثیر لسانی ماحول میں اشارات کی زبان کی بڑی اہمیت ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں جب فرانسیسی ہوا بازوں کو انگریزی زبان سکھائی جارہی تھی تو اشارات کی زبان بہت مفید ثابت ہوئی۔ بین الاقوامی اسکاؤٹ تحریک نے اشارات کا ایک اچھا خاصا نظام مرتب

کرلیا ہے۔ ان اشارات کو وہ اپنی تقریبات میں استعمال کرتے ہیں اور تبادلۂ خیال کا ذریعہ بناتے ہیں۔ انٹرنیشنل سول اے ویشن نے پانچوں انگلیوں کی جنبش پر مبنی اشارات کا ایک نظام مرتب کیا ہے جو مختلف لسانی گروہوں کے مابین استعمال ہوتے ہیں۔ شمالی امریکہ میں سرخ ہندی (ریڈ انڈین) قبائل کے پاس اشارات کا ایک باقاعدہ نظام موجود ہے۔ جب مختلف زبان بولنے والے گروہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو آپس میں اشاروں سے تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔

ہندوستان میں اشاروں کا استعمال اب بھی بہت عام ہے۔ بازار منڈی سے لے کر شعر و ادب اور رقص و سرود کی محفلوں تک اس کا استعمال ہوتا ہے۔ انگلی کو دانت تلے دبالینا تعجب کا اظہار ہے، گردن جھکالینا شرم کی علامت ہے، انگوٹھا دکھانا یا ٹھینگا دکھانا انکار ہے، کان پکڑنے سے بھی انکار یا توبہ کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ دوسروں کے سامنے چٹکی بجانا اظہار بغاوت ہے۔ اسی طرح محبت کے اظہار کے لیے بھی مختلف قسم کے اشارات ملتے ہیں۔ لیکن زیادہ منظم طریقے سے اشاروں کا استعمال ہمارے کلاسکی ڈراموں میں ملتا ہے۔ ہندوستانی رقص و موسیقی میں ان اشارات کی باقاعدہ اصناف بندی کی گئی ہے۔ "بھرت نا ٹیم" میں سر کے تیرہ اور آنکھوں کے چھبیس اشارے ہیں۔ گردن کے سات، ہاتھ کے چھتیس اور جسم کے ایک سو چار اشارے ہیں۔ ان کی ترکیب اور توازن سے رقاص پوری کہانی سنا سکتا ہے۔ ہندوستانی رقص کا سب سے نمایاں پہلو 'مُدرا' ہے یعنی ہاتھ کے اشارے۔ ہاتھ کے دل کش اشاروں سے مختلف قسم کے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔

غرض، اشاروں کی زبان کی ایک انوکھی افادیت اور دلکشی ہے لیکن اس کا حلقۂ عمل بہت محدود ہے۔ اشارات بالعموم اور ہاتھ کے اشارات بالخصوص تقریر کی جگہ نہیں لے سکتے۔ ہاتھ کے اشارات میں چونکہ ہاتھ کا استعمال ہوتا ہے اس لیے ہاتھ بندھے ہوتے ہیں اور تقریر میں ہاتھ آزاد ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ اشارات کو سمجھنے کے لیے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اشخاص کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو اشارات ترسیل کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ اس کے برعکس آواز کی زبان یعنی تقریر اظہار خیال کا مکمل اور بہترین ذریعہ ہے۔ اس لیے اشارات کی زبان اس کی ہمسری نہیں کر سکتی۔ اشارات کی زبان کا کمزور ترین پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعے مجرد تصورات نہیں پیش کیے جا سکتے۔ ایک اشارہ کئی تصورات کا حامل نہیں ہو سکتا اور نہ اشارات تحلیلی و تخلیقی فکر میں معاون ہو سکتے ہیں۔

اشارات کی زبان میں تنوع کی گنجائش بہت کم ہے، جبکہ آواز کی زبان میں ہر لمحہ جملے کے سیاق وسباق میں الفاظ کے معنی بدلتے رہتے ہیں۔

آوازوں کی زبان گذشتہ صفحات میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اشاروں کی زبان ہر چند کہ بعض مخصوص صورتِ حال میں اب بھی استعمال ہوتی ہے لیکن یہ گفتگو یا تحریر کی جگہ نہیں لے سکتی۔ زبان سیکھنا اکتسابی عمل ہے۔ آس پاس کے جن لوگوں سے بچے کا سابقہ پڑتا ہے، وہ عام طور پر زبان کا استعمال کرتے ہیں، اشارات کا نہیں اور چونکہ بچہ گرد و پیش کے لوگوں سے ہی زبان سیکھتا ہے، اس لیے وہ انھیں آوازوں کی نقل کرتا ہے جو ماں باپ اور بھائی بہنوں سے سُنتا ہے اور انھیں آوازوں کے توسط سے وہ اشخاص اور اشیاء کو پہچاننا شروع کرتا ہے۔ اس طرح وہ زبان سیکھنے کا آغاز کرتا ہے۔ وہ آوازیں سُنتا ہے، نقل کرتا ہے اور اس طرح سننے اور بولنے کی ابتدائی تربیت حاصل کرتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ تقریر کی دیگر مہارتوں پر بھی قدرت حاصل کر لیتا ہے اور اس کے اندر اس بات کی بھی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ مجرد تصورات کو بیان کر سکے اور فجائی آوازوں کے ذریعے رنج، خوشی، حیرت، محبت، نفرت جیسی کیفیات کا بھی اظہار کر سکے۔ مثلاً قہقہہ، گریہ وزاری وغیرہ۔ فجائی آوازوں کے علاوہ بچہ، صوتی آوازوں سے بھی آشنائی حاصل کرتا ہے جیسے ہوا چلنے کی آواز سَن سَن، گھڑی کی آواز ٹک ٹک یا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز کھٹ کھٹ۔ فجائی اور صوتی آوازیں بھی لفظ کے دائرے میں آتی ہیں لیکن تیسری قسم کی آواز لفظ یا بول سے مختلف ہوتی ہے ۔ لفظ یا بول کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کون سا لفظ کیونکر وجود میں آیا۔

علامتوں کی زبان (تحریر) جب کسی آواز یا لفظ کو علامت کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے تو وہ تحریر کی شکل اختیار کر لیتی ہے لیکن تحریر میں لفظ بے جان اور جامد رہتے ہیں اور اس وقت تک بے حس رہتے ہیں جب تک بولنے والا ان میں روح نہ پھونکے۔ تحریر میں لفظ کی صورت بدلتی نہیں۔ لیکن جب وہی لفظ بول چال میں استعمال ہوتا ہے، تو کبھی موقع محل کے لحاظ سے اس کی صورت بدل جاتی ہے اور کبھی لب و لہجے کی تبدیلی سے اس کے مفہوم میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔

بولی اور زبان کسی زبان کی ذیلی شاخ کو بولی کہتے ہیں۔ ایک بڑے لسانی گروہ میں جو کسی بڑے علاقے میں آباد ہو، کچھ مقامی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس

اختلاف کی وجہ سے ایک زبان بولنے والے مختلف بولیوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ یہ اختلافات اس صورت میں کم ہو جاتے ہیں، جب اس زبان کے بولنے والوں کو باہم میل جول کے زیادہ مواقع ملتے ہوں۔ لیکن اگر کسی علاقے کے رہنے والوں کو نقل و حرکت کے مواقع کم میسّر آئیں تو باہمی ربط کے مواقع بھی کم دستیاب ہوں گے اور اس طرح اس علاقے میں بولیوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔

بولی عام طور پر ایک بے ڈھب سی زبان ہوتی ہے، جو نسبتاً چھوٹے علاقے کے عوام میں رائج ہوتی ہے۔ اس کی نہ تو کوئی تنظیم ہوتی ہے اور نہ ہی ضابطے اور اصول مقرر ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کی کوئی گرامر بھی مرتب نہیں ہو پاتی۔ بولی میں تبدیلی بہت جلدی جلدی ہوتی رہتی ہے، جب کہ زبان میں تبدیلی بڑی مشکل سے آتی ہے اور بہت دیر میں اس تبدیلی کا اثر ظاہر ہو پاتا ہے۔ لیکن بولی زبان کے مقابلے میں زیادہ ارتقاء پذیر ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ زندگی کی بدلتی ہوئی ضروریات کے ساتھ بلا تکلف تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

بولی اور زبان کی ابتدا اور نشو و نما سے متعلق اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ رینال اور میکس مولر کے خیال کے مطابق زبان کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ مختلف بولیاں جو متعدد ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی تھیں، ایک شکل میں مجتمع ہو گئیں یعنی اس کا ارتقائی عمل انتشار سے اتحاد کی جانب ہے۔ اس کے برعکس ایک دوسرے ماہر لسانیات وہٹنے کا خیال ہے کہ زبان پہلے وجود میں آئی اور رفتہ رفتہ بولیوں میں بٹ گئی۔ اس طرح اس کا ارتقائی عمل اتحاد سے انتشار کی جانب ہے۔

مادری زبان مادری زبان اس زبان کو کہتے ہیں جو بچے کے گھر، خاندان اور ماحول میں بولی جاتی ہو۔ یہ بچے کی پہلی زبان ہوتی ہے۔ اسی کے ذریعے بچہ گرد و پیش کی دنیا سے رابطہ قائم کرتا ہے۔ خارجی ماحول سے روشناس ہوتا ہے اور اپنے جذبات، محسوسات اور خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

تعلیمی اعتبار سے مادری زبان اس زبان کو کہتے ہیں، جس میں بچے کو رسمی تعلیم دی جائے۔ تقریباً تمام ماہرینِ تعلیم اس بات سے متفق ہیں کہ بچے کی تعلیم کا بہترین ذریعہ اس کی مادری زبان ہے۔ اگر مادری زبان کے ذریعے تعلیم دی جائے تو تعلیم موثر ہوگی اور بچے کی شخصیت متوازن طریقے پر نشو و نما پائے گی۔

مادری زبان میں تعلیم کا مطالبہ

مادری زبان میں تعلیم دینے کی اہمیت سے متعلق گزشتہ تین دہوں میں کافی بحث ہو چکی ہے اور اس بات کی کافی شہادتیں موجود ہیں کہ مادری زبان کے ذریعے بہتر تعلیم ہوتی ہے۔

مادری زبان میں تعلیم دینے کا مطالبہ اس وقت زیادہ زور پکڑتا ہے جب سماج میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور تعلیم کو سماجی تبدیلی اور شخصیت سازی کا ایک موثر ذریعہ تصور کیا جاتا ہے نیز لوگوں میں تہذیبی تشخص (ethnic identity) کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اگر تعلیم کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو آسانی سے اس بات کا پتہ چل سکتا ہے کہ دورِ وسطیٰ کے یورپ میں لاطینی زبان کے ذریعے تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندوستان میں بھی انیسویں صدی تک سنسکرت یا فارسی ذریعۂ تعلیم رہی۔ ان تمام ادوار میں تعلیم ایک مخصوص طبقے تک محدود تھی۔ اس لیے مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دینے کا مسئلہ نہیں پیدا ہوا۔ لیکن جب آزاد ہندوستان میں تعلیم کو عام، مفت، لازمی اور سیکولر بنانے کا منصوبہ بنایا گیا تو 'تعلیم بذریعۂ مادری زبان' نے ایک مطالبے کی شکل اختیار کر لی۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمہ گیر (universal) تعلیم کے امکانات اسی وقت روشن ہوں گے، جب تعلیم کی سہولتیں عوام کو میسّر آنے لگیں۔ عوام الناس کو خواندہ بنانے کے لیے مقامی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانا ضروری ہے۔ لہٰذا ان تمام قوموں نے جنھیں ابھی حال میں آزادی حاصل ہوئی ہے اور جنھوں نے جمہوری نظام اپنایا ہے، ذریعۂ تعلیم کے مسئلے کو خصوصی اہمیت دی ہے۔

مادری زبان کے ذریعے تعلیم دینے کے حق میں جو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں ان کا تعلق ذہنی، جذباتی، نفسیاتی، سیاسی اور سماجی پہلوؤں سے علیحدہ علیحدہ بھی ہے اور ملا جلا بھی ہے۔ یہاں محض ان پہلوؤں سے بحث کی جائے گی جن کا تعلق خصوصی طور پر درس و تدریس سے ہے۔

جدید تعلیم میں نفسیات کو ایک خصوصی مرتبہ حاصل ہے۔ چنانچہ زبان کی تعلیم میں بھی نفسیات کو ایک اہم مقام دیا گیا ہے۔ زبان آوازوں کا ایک نظام ہے جو بچے کے دماغ کو متحرک کرتا رہتا ہے۔ اس کے وسیلے سے وہ خود بخود اظہار و تفہیم کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اس طرح اس کو جو تسکین حاصل ہوتی ہے، وہ ذہنی، جذباتی اور سماجی نشوونما کی ضمانت کرتی ہے۔ یہ منصب مادری زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں ادا کر سکتی۔ زبان اور خیال کا تعلق، جسم اور روح کا ہے، ایک کا دوسرے پر انحصار ہے۔ ایک کی ترقی سے دوسرے کی ترقی ہوتی ہے،

اور ایک کے انحطاط سے دوسرے کا انحطاط ہوتا ہے۔

سماجی اعتبار سے مادری زبان کا مقام اور بھی بلند ہے کیونکہ مادری زبان کے ذریعے ہی بچہ اپنی تہذیب و معاشرت سے مطابقت اور رابطہ پیدا کرتا ہے۔ ایک مشترک وسیلۂ اظہار یعنی تقریر یا گفتگو گروہ کے افراد کے درمیان وسیلے کا کام کرتا ہے۔ اس کے بغیر سماجی روابط تقریباً ناممکن ہیں۔

تعلیمی نقطۂ نظر سے مادری زبان کی امتیازی اہمیت ہے' اس لیے کہ مادری زبان سے آموزش میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔ مدرسے کے اندر مادری زبان کی حیثیت محض ایک مضمون کی نہیں ہوتی' بلکہ مادری زبان دیگر مضامین کی تعلیم کا بھی ایک موثر ذریعہ ہے۔ کمرۂ جماعت ہو یا معمل' ورک شاپ ہو یا کتب خانہ یا کھیل کا میدان ہر جگہ مادری زبان کی ہی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

پس' مادری زبان نہ صرف تعلیم کا ایک موثر ذریعہ ہے' بلکہ مادری زبان کے ذریعے اگر تعلیم نہ دی جائے تو اظہارِ ذات کی صلاحیت کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اس کے سبب تحصیلِ علم میں رکاوٹ ہوتی ہے اور شخصیت میں توازن پیدا نہیں ہو پاتا۔

لہٰذا درس و تدریس کا کام کرنے والوں کو اس بات سے شعوری طور پر باخبر ہونا چاہیے کہ بچوں کی نشو و نما میں اور موثر تعلیم کے حصول میں مادری زبان کیا رول ادا کرتی ہے نیز دیگر مضامین سے اس کا کیا تعلق ہے اور آموزش میں یہ کس طرح معاون ہو سکتی ہے۔

2

تدریسِ اردو کے مقاصد

عام ملحوظات تدریسِ اردو کے مقاصد بیان کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ زندگی اور تعلیم میں زبان کی جو اہمیت ہے اس کا مختصراً ذکر کر دیا جائے۔

زندگی کے ارتقا میں زبان نے جو کردار ادا کیا ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ تاہم چند اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ انسان نے اگر گویائی کی صلاحیت نہ پیدا کی ہوتی اور حیوانات کی طرح محض حرکات و سکنات اور اشاروں کی زبان پر قانع رہتا، تو نہ صرف انسانیت بلکہ تہذیب گونگی رہ جاتی۔ اس کے بغیر نہ تو فرد کی صلاحیتیں ابھر پاتیں اور نہ سماج کی نشو و نما ہو سکتی۔ نہ تو سیرت کی تعمیر کا موقع ہوتا اور نہ شخصیت کی تشکیل کا امکان۔ اور یہ وہ امتیازی اوصاف ہیں جو انسان کو حیوان سے ممیز کرتے ہیں۔

زبان ترسیلِ خیالات کا ایک اہم وسیلہ ہے، جس کے ذریعے انسان دوسرے انسان کے ساتھ رابطہ قایم کرتا ہے، دوسروں کے سامنے اپنے دکھ درد بیان کرتا ہے اور حالِ دل سناتا ہے۔ یہ کبھی اظہارِ خیال کا ذریعہ بنتی ہے اور کبھی اخفائے حال کا۔ کبھی نفرت کا زہر گھولتی ہے اور کبھی محبت کا جام پلاتی ہے۔ کبھی انقلاب کے راگ چھیڑتی ہے اور کبھی رومان کے نغمے الاپتی ہے۔ غرض، اس کے ہزار روپ ہیں۔

زبان اور فکر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی کے ذریعے انسان کے شعور کی تربیت ہوتی ہے اور تہذیب پروان چڑھتی ہے۔ فکر زبان کی رہینِ منّت ہے۔ اگر زبان کا سہارا نہ ہوتا تو انسان فکر سے محروم رہتا۔ زبان ہی کے وسیلے سے انسان گرد و پیش کے ٹھوس حقائق کو تصوراتی پیکر میں ڈھالتا ہے اور تخیلات کی دنیا آباد کرتا ہے۔ اس کے ذریعے کبھی تجزیاتی فکر کی داغ بیل پڑتی ہے اور کبھی تخلیقی فکر کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ تحقیقی مطالعوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہر سطح پر فکر کی

نشو ونما میں زبان کا بڑا دخل ہے۔ فکر کی نشو ونما سے ذہنی نشو ونما کا گہرا رشتہ ہے۔ زبان ذہنی ترقی کا ایک نہایت لطیف مگر موثر ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے انسان میں وہ لطافت پیدا ہوتی ہے جو کبھی گرمی محفل پیدا کرتی ہے اور کبھی ادب و شاعری کے روپ میں ذہن و فکر کو جلا دیتی ہے۔

زبان سیکھنا ایک اکتسابی عمل ہے اور یہ عمل ہمہ وقت نمو پذیر رہتا ہے۔ فرد کی نشو ونما اور بالیدگی کے ساتھ زبان سیکھنے کا عمل بھی جاری رہتا ہے۔ لیکن سماجی ماحول اس کے لیے ناگزیر ہے۔ سماج کے بغیر زبان سیکھنے کا تصور بھی ناممکن ہے۔ اس سلسلے میں جو مطالعے ہوئے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان بچوں میں زبان کی نشو ونما نہیں ہو پاتی جو سماج سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ایسے بچوں کی ذہنی نشو ونما بھی رک جاتی ہے لہٰذا زبان، فرد اور سماج کے درمیان فعال رشتہ پیدا کرنے کا ایک اہم وسیلہ ہے۔

جہاں تک زبان کا تعلیم سے تعلق ہے، بعض مفکرین کا خیال ہے کہ مدرسے کی تقریباً تمام تعلیم زبان ہی کی تعلیم ہے۔ اس قول کو اگر محدود معنوں میں نہ دیکھا جائے تو یہ بات واضح طور پر نظر آسکتی ہے کہ مدرسے کی پوری زندگی زبان کی تعلیم پر منحصر ہے۔ اگر زبان کی تعلیم ناقص ہو، تو دوسرے مضامین کی تعلیم بھی نامکمل رہ جائے گی۔ مدرسے کے تمام مشاغل میں چاہے نصابی ہوں یا غیر نصابی، ہماری زبان ہی کے وسیلے سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا زبان کی تعلیم مدرسے کی زندگی کی ایک لازمی شرط ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں جب ہم اردو زبان کی اہمیت پر غور کرتے ہیں تو اس کی ایک نرالی خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ یہ قومی وحدت کا ایک دلکش نمونہ ہے۔ ایک ایسا نمونہ جس میں مختلف قوموں، تہذیبوں اور زبانوں کا اتحاد نظر آتا ہے۔ اس کے خمیر میں ہندوستان اور غیر ہندوستانی عناصر کا حسین امتزاج ہے۔ شعر و شاعری ہو یا کہانی و انشا، ہر جگہ یہ امتیاز نظر آئے گا۔ اردو کا دامن جذباتی ہم آہنگی اور سیکولر روایات سے بھرا پڑا ہے اور قومی یکجہتی اور وطنی جذبات کی تہذیب و تربیت میں اس کا بڑا حصہ ہے، جس کو نظر انداز کرنا حقائق سے چشم پوشی ہوگی۔

اس پس منظر میں اردو کی تدریس کے مقاصد بیان کرتے وقت یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مقاصد کا تعین ایک وسیع تناظر میں کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ ہمارے مکتبوں اور مدرسوں میں عام طور پر جس طرح اردو کی تدریس کا کام انجام دیا جاتا ہے، وہ بڑی حد تک روایتی اور قدامت پسندانہ ہے۔ اس سے نہ تو طالب علم کے ساتھ انصاف ہو پاتا ہے اور نہ مضمون کے ساتھ،

اس کوتاہی کا بڑا سبب یہ ہے کہ بچوں کی نفسیات، نصاب اور طریقۂ تعلیم سے متعلق جو جدید تصورات اب تعلیمی دنیا میں کارفرما ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ان مدرسوں اور مکتبوں کو ان کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ تدریسی مقاصد کا تعین کرتے وقت ان تصورات کو ملحوظ رکھا جائے۔

مقاصد کا تعین

انسان جب سوچ سمجھ کر کوئی کام کرتا ہے تو مقصد کو ضرور پیش نظر رکھتا ہے، مقصد کے تعین کے بغیر نہ تو راہ کی دشواریوں کا اندازہ ہو سکے گا اور نہ منزلِ مقصود تک رسائی ممکن ہو سکے گی، بلکہ پست ہمتی اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تعلیم کا عمل بھی ایک ایسا ہی عمل ہے جس کے اغراض و مقاصد کا تعین کرنا از حد ضروری ہے یہ مقاصد یا تو فرد کی ضروریات زندگی کے تحت متعین ہوتے ہیں یا زندگی کے کسی اور شعبے سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ان مقاصد کا تعین کرتے وقت زندگی کے تقاضوں، تعلیمی نظریوں اور نفسیاتی اصولوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

تعلیمی مقاصد

جہاں تک تعلیمی مقاصد کا تعلق ہے، یہ وہ گوہرِ مقصود ہے، جو کسی سوچے سمجھے طریقۂ عمل سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دراصل تعلیمی مقاصد سے مراد وہ تبدیلیاں ہیں جو ہم ایک مخصوص نصاب اور متعین طریقۂ تدریس کے ذریعے فرد میں لانا چاہتے ہیں۔ یہ تبدیلیاں فرد کے خیال و عمل کو متاثر کرتی ہیں اور مختلف حلقوں میں رونما ہوتی ہیں۔ مثلاً حصولِ معلومات سے بلغ علم میں اضافہ ہوتا ہے، معلومات اور حقائق کی بنیاد پر بصیرت حاصل ہوتی ہے، ذہنی و جسمانی مہارتوں سے ہنرمندی پیدا ہوتی ہے۔ ان سب کی بنیاد پر مختلف علوم و فنون سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے، جو آئندہ زندگی میں تحریک ذہنی کا باعث بنتی ہے اور فرد میں انسان، فطرت اور سماج سے متعلق صحیح رویے فروغ پاتے ہیں۔

تعلیمی مقاصد بہت کچھ ان قوانین سے بھی متاثر ہوتے ہیں، جن کا تعلق فرد کی بخشی، نشوونما اور انسانی رشتوں سے ہے۔ کمرۂ جماعت کے اندر انسانی رشتوں کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھا جاتا ہے اور اس کی رو سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جماعت کا ہر فرد (بچہ) دوسرے فرد (ہم سبق) سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اپنی جملہ صلاحیتوں کے اعتبار سے منفرد اور انوکھا بھی ہے۔ یعنی جماعتی تعلق کے ساتھ ساتھ اس کی ایک مسلّم انفرادیت بھی ہے۔ اس لیے یہ اغراض و مقاصد ایسے ہونے چاہئیں جو بیک وقت جماعتی احساس پیدا کریں اور انفرادی تقاضوں کی بھی تکمیل کریں۔

عام مقاصد ان ملحوظات کے پیشِ نظر پہلے ہم اردو کی تدریس کے عام مقاصد بیان کریں گے۔ یہ وہ مقاصد ہیں جنھیں تعلیم کی تمام منزلوں پر کسی حد تک سامنے رکھنا چاہیے۔ یہ مقاصد حسبِ ذیل ہیں۔

1 ۔ طلبا میں اس بات کا احساس پیدا کرانا کہ اردو ان کی مادری زبان ہے اور اس رشتے سے انھیں اپنی مادری زبان سے محبت ہونی چاہیے

2 ۔ طلبا میں اس بات کی صلاحیت پیدا کرانا کہ وہ زبان کے عملی پہلو یعنی بولنے اور لکھنے اور ادراکی پہلو یعنی پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پر قدرت حاصل کرسکیں اور اظہارِ مطالب کے لیے اپنی زبان کو صحت، صفائی، سلاست اور شائستگی کے ساتھ تقریر و تحریر میں استعمال کرسکیں۔ نیز اپنی نجی اور کاروباری زندگی میں استفادہ کرسکیں۔

3 ۔ طلبا میں مطالعے کی ایسی عادت پیدا کرنا کہ وہ اردو ادبیات سے شغف پیدا کرسکیں، اچھے اور بُرے ادب میں تمیز کرسکیں اور اچھے ادب کے مطالعے سے زندگی کی اعلیٰ قدروں کا عرفان حاصل کرسکیں اور بحیثیت مجموعی زبان کی قوت، حسن اور اثر کا احساس پیدا کرسکیں۔

4 ۔ اصنافِ سخن اور نمایندہ اسالیب بیان سے واقف کرانا اور اس بات کے لیے طلبا کو اکسانا کہ وہ مشاہیرِ ادب کے مطالعے سے استفادہ کرکے خود بھی کوئی اسلوبِ بیان اختیار کرسکیں۔

5 ۔ اردو زبان کی ابتدا، نشوونما اور ترقی کے مختلف مدارج سے طلبا کو واقف کرانا۔

6 ۔ طلبا میں اس بات کی صلاحیت پیدا کرانا کہ وہ زبان و ادب کے ذریعے اپنے خیالات جذبات اور وجدان کی تربیت کرسکیں۔ اپنی ذہنی قوتوں اور تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکیں اور شعر و ادب کی ان قدروں سے سچی محبت کرسکیں جن سے زندگی عبارت ہے۔

7 ۔ زبان کی تعلیم کا مقصد محض زبان پر قدرت حاصل کرنا نہیں بلکہ فرد کے نقطۂ نظر میں وسعت پیدا کرنا بھی ہے تاکہ وہ زندگی کے مسائل کو وسیع تناظر میں دیکھ سکے۔ زندگی کے مسائل کا حل ڈھونڈھ سکے اور ایسے علوم، مہارتیں اور رویّے سیکھ سکے جن سے سماج کے تجزیے میں مدد ملتی ہو۔

8 ۔ اردو چونکہ ہندوستان کی مخلوط تہذیب کی آئینہ دار ہے اس لیے اس مشترکہ تہذیب کی اقدار کا استحسان کرانا بھی تدریسِ اردو کا ایک اہم مقصد ہے۔

لیکن مقاصد کا تعین کرتے وقت تعلیم کی ہر منزل کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ یعنی پرائمری، مڈل اور ثانوی

اور اب (3+2+10) کی اسکیم کے تحت اعلیٰ ثانوی یعنی (+2) کی منزل کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ جہاں تک مدرسے کی تعلیم کا تعلق ہے اب نقطۂ اختتام تین کے بجائے چار ہوگا یعنی 12، 10، 8، 5۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان چاروں منزلوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے تدریسِ اردو کے مقاصد کا تعین کیا جائے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ چاروں منزلوں کے درمیان ایسا تال میل پیدا کر دیا جائے کہ ہر منزل پر حصولِ مقصد بھی ہو سکے اور نصاب کا تسلسل بھی قائم رہ سکے۔

پرائمری منزل پرائمری منزل پر اردو کی تدریس کے مقاصد بیان کرتے وقت ہمیں اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ کئی اعتبار سے یہ منزل بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اوّل یہ کہ یہ بنیادی منزل ہے اور اس منزل پر جو لسّانی عادتیں پیدا کی جائیں گی وہ بہت راسخ ہوں گی۔ دوم یہ کہ شخصیت کی نشوونما کی یہ ایک اہم منزل ہے یعنی جذبات، خیالات، احساسات اور رجحانات کی نشوونما کے معاملے میں اس منزل کی بنیادی اہمیت ہے۔ تعلیمی اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ طلبا کی بڑی تعداد پرائمری منزل کے اختتام پر تعلیم سے دست کش ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس منزل پر وہ جو کچھ بھی حاصل کرلیں گے وہی خاص کر ان کا سرمایۂ حیات ہوگا۔

ان باتوں کے پیشِ نظر پرائمری منزل پر اردو کی تدریس کے مقاصد حسبِ ذیل ہوں گے۔

1۔ بولنا سکھانا۔ اگر کوئی بالغ اپنے بچپن پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالے اور یہ تصور کرے کہ اس نے بولنا کیسے سیکھا تو اس کو بڑی حیرت ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ جس طرح اس نے بیٹھنا، چلنا اور دوڑنا سیکھا اسی طرح بولنا بھی سیکھا ہوگا۔ اس کے لیے کوئی اصول، کلیہ اور قاعدہ نہیں وضع کیا جا سکتا۔

بولتا ہوا بچہ جب مدرسے میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ نئے ماحول، نئی فضا اور نئے لوگوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بولنے میں جھجک محسوس کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا اس منزل پر بولنا سکھانے کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ بغیر شرم و جھجک اور بغیر کسی تکلف کے وہ فطری انداز میں بات چیت کر سکے۔ استاد کو بہر حال یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ بچوں کے لب و لہجہ اور تلفظ پر ان کے اپنے طبقاتی اور مقامی اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ اس لیے ان سے ٹکسالی زبان کی توقع یا مطالبہ کرنا مناسب نہ ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انھیں بے تکلفی اور برجستگی کے ساتھ اپنے انداز میں بے روک ٹوک اظہارِ خیال کا موقع دیا جائے۔ اور رفتہ رفتہ انھیں بہتر بولنے کی تربیت دی جائے۔ بہتر بولنے میں صحت، روانی اور شائستگی شامل ہے۔

بولنے اور سننے کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ ابتدائی مدرسے میں بولنے اور سننے کی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ درج ذیل صلاحیتوں اور مہارتوں پر زور دیا جائے۔

— تقریری آوازوں پر قدرت حاصل کرانا۔

— بولتے وقت الفاظ کی صحیح ادائیگی کی صلاحیت پیدا کرانا۔

— صحیح تلفظ کے ساتھ بولنے کی مشق کرانا۔

— آہنگ اور لہجے پر قدرت حاصل کرانا۔

— سامعین کی ضروریات اور دلچسپیوں کے پیشِ نظر فطری انداز سے بولنے کی عادت ڈالنا۔

۲۔ پڑھنا سکھانا: اس منزل پر پڑھنا سکھانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبا میں پڑھائی کی بنیادی مہارتیں پیدا کر دی جائیں۔ یعنی طلبا عبارت کو اعراب، تلفظ اور ادائیگی کے لحاظ سے صحیح صحیح پڑھ سکیں۔ اس طرح کہ وہ خود اور سننے والے عبارت کا مفہوم سمجھ سکیں۔ پڑھنے میں روانی ہو، لب و لہجہ مناسب ہو اور رفتار موزوں ہو۔ پڑھائی عام طور پر دو قسم کی ہوتی ہے۔ بلند آواز کے ساتھ اور خاموشی کے ساتھ۔ اول الذکر میں زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ طلبا صحتِ الفاظ، لحن اور روانی کے ساتھ عبارت پڑھ سکیں اور آخر الذکر کا مقصد یہ ہے کہ طلبا نفسِ مضمون کی تفہیم کر سکیں، اپنی معلومات میں اضافہ کر سکیں، ذخیرۂ الفاظ میں توسیع کر سکیں اور جملے کی ساخت اور ان کی مختلف شکلوں کی شناخت کر سکیں۔

۳۔ لکھنا سکھانا: — ابتدائی منزل پر لکھنا سکھانے کا مقصد یہ ہے کہ طلبا اپنے مشاہدات، خیالات اور احساسات کو صحت اور صفائی کے ساتھ تحریر کر سکیں۔ لکھنا سکھاتے وقت عام طور پر فن کی باریکیوں پر اتنی توجہ دی جاتی ہے کہ طلبا میں بے کیفی پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا شروع کے برسوں میں بس اس بات پر زور دینا چاہیے کہ طلبا، جو کچھ لکھنا چاہیں صفائی، سادگی اور روانی کے ساتھ لکھ سکیں۔ صحتِ زبان اور فنِ تحریر کی جزئیات پر بعد میں توجہ دینا مناسب ہوگا۔

۴۔ سمجھنا سکھانا: — طلبا میں اس بات کی صلاحیت پیدا کرانا کہ وہ گفتگو کو سن کر اور عبارت کو پڑھ کر نفسِ مضمون اخذ کر سکیں اور فہم و ادراک اور حافظے کی صلاحیت پیدا کر سکیں۔

غرض کہ پانچویں جماعت کے اختتام پر طلبا سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ زبان کی میکانیکی مہارتوں پر قدرت حاصل کر چکے ہوں گے اور ان میں یہ صلاحیت پیدا ہو چکی ہوگی کہ جو کچھ کہنا چاہیں صفائی کے ساتھ کہہ سکیں اور جو کچھ لکھنا چاہیں صفائی کے ساتھ لکھ سکیں۔ ہلکی پھلکی بیانیہ نظمیں لطف اور تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔

مڈل کی منزل مڈل اسکول کی منزل پر میکانکی مہارتوں کی مشق جاری رہے گی لیکن یہاں نیم میکانکی مہارتوں پر یعنی محسوسات، مشاہدات اور تخیلات کی نشوونما پر خصوصیت سے زور دیا جائے گا۔ اس منزل پر طلبا کو چونکہ ادب سے متعارف کرایا جائے گا، اس لیے مقاصد کے تعین میں وسعت اور تنوع کا خاص طور سے لحاظ رکھا جائے گا۔ لہٰذا اس منزل پر تدریس اردو کے مقاصد حسبِ ذیل ہوں گے۔

۱۔ طلبا میں سننے، پڑھنے اور سمجھنے کی ایسی صلاحیت پیدا کرنا کہ وہ گفتگو سن کر اور عبارت پڑھ کر مطلب اخذ کر سکیں۔ ان میں اس منزل پر حصولِ معلومات اور لطف کے لیے آزاد مطالعے کی صلاحیت پیدا ہو جانی چاہیے۔

۲۔ تقریر و تحریر کی بنیادی مہارتوں پر ایسی قدرت حاصل کرنا کہ وہ زبان کو صحت، صفائی اور شائستگی کے ساتھ تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔ اپنے خیالات کو مرتب شکل میں پیش کر سکیں۔ اور اپنی ذہنی اپج اور خلاقانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکیں۔

۳۔ مختلف اصناف ادب سے روشناس کرانا تاکہ وہ نظم و نثر، کہانی و انشا، خطوط، مکالمے اور سفرنامے وغیرہ پڑھ کر زبان کا لطف حاصل کر سکیں۔

۴۔ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق معلومات بہم پہنچانا اور پیشہ ورانہ امور سے استفادہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرانا۔

۵۔ شعر و ادب کے ذریعے فطرت اور زندگی کا استحسان کرانا۔

ثانوی منزل اس منزل پر پہنچے پہنچے طلبا سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ زبان کی میکانکی اور نیم میکانکی مہارتوں پر قدرت حاصل کر چکے ہوں گے یعنی سمجھنے، پڑھنے اور لکھنے کے ساتھ اس بات کی بھی صلاحیت پیدا کر چکے ہوں گے کہ وہ اپنے تجربات اور مشاہدات کو تصوراتی پیکر میں ڈھال سکیں۔ جہاں تک ادبیات سے شغف پیدا کرنے کا تعلق ہے، اس منزل پر طلبا مختلف اصنافِ سخن سے متعارف ہو چکے ہوں گے اور ان میں یہ صلاحیت پیدا ہو چکی ہوگی کہ زبان کے حسن سے لطف اندوز ہو سکیں، لب و لہجے کی تبدیلی سے مفہوم کی تبدیلی کو پہچان سکیں اور لوک کہانیوں اور لوک گیتوں کو پڑھ کر لطف اٹھا سکیں۔ اس منزل پر تدریس اردو کے مقاصد مختصراً یوں بیان کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ طلبا میں سن کر اور پڑھ کر تفہیم اور اخذ و قبول کی صلاحیت پیدا کرانا تاکہ وہ تقریر و

تحریری اظہار کے وسیلوں سے استفادہ کرسکیں، اظہار ذات اور اظہار خیالات کی نشوونما کرسکیں اور نظم ونثر کے مطالعے سے افہام میں گہرائی پیدا کرسکیں۔

2۔ تلفظ، مطلب اور ساخت کے نقطۂ نظر سے الفاظ کے فرق کو سمجھنا تاکہ زبان کے لسانی پہلوؤں سے واقفیت پیدا کرسکیں اور زبان کا تجزیہ کرسکیں۔

3۔ حصول معلومات اور لطف اندوزی کے لیے مطالعے کی عادت میں استحکام پیدا کرانا اور زندگی کی اعلیٰ قدروں کا استحسان کرانا۔

4۔ طلبا میں جمالیاتی، تخیلی اور تخلیقی صلاحیتوں کی نشوونما کرانا۔

5۔ طلبا میں منطقی اور استدلالی فکر کی صلاحیت پیدا کرانا

6۔ طلبا کو مشاہیرین ادب کے تخلیقی کارناموں سے واقف کرانا اور انھیں اس بات کے لیے اکسانا کہ وہ اپنے ذوق کے مطابق خود بھی کوئی اسلوب اختیار کرسکیں۔

اعلیٰ ثانوی منزل

اس کے بعد +2 کی منزل آتی ہے یعنی گیارہویں اور بارہویں جماعت۔ اس منزل پر طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ شعر و ادب کا تفصیلی مطالعہ کریں گے۔ زبان و ادب کے ساتھ ساتھ تاریخ ادب اور تنقید و تبصرے کا بھی احاطہ کریں گے اور قواعد زبان کا مطالعہ کرکے زبان کے صرفی اور نحوی امور کی باقاعدہ تربیت حاصل کریں گے۔

اس منزل پر طلبا کی نظر میں ایسی وسعت پیدا کر دینی چاہیے کہ وہ شعر و ادب کے حُسن و قبح میں تمیز کرسکیں۔ مصنف کے نقطۂ نظر سے اتفاق یا اختلاف کرسکیں۔ سماج، فطرت اور زندگی سے متعلق صحت مند رویے پیدا کرسکیں اور زندگی کی اعلیٰ قدروں کے حامل ہوسکیں۔ علاوہ ازیں اس منزل پر طلبا میں تحریری و تقریری انشا کی ایسی صلاحیت پیدا کر دینی چاہیے کہ طلبا کے تخلیقی جوہر بروئے کار آسکیں۔

ان مقاصد کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب اساتذۂ اردو زبان و ادب کا شعور اور تغیر پذیر زندگی کی گہری بصیرت رکھتے ہوں۔ محض درسی کتب کے مطالعے اور بندھے ٹکے پروگرام سے خاطر خواہ کامیابی حاصل کرنا مشکل ہے۔

3

تدریس نثر

عام ملحوظات ثانوی منزل پر تدریس نثر کا کام سابقہ منزل سے مختلف نہج پر ہوگا، اس لیے کہ اس منزل پر زبان کی تدریس کے ساتھ ساتھ طلبا کو ادب سے بھی متعارف کرایا جائے گا۔ زبان اور ادب میں ہر چند کہ ایک گہرا رشتہ ہے، تاہم دونوں کی تدریس کے تقاضے مختلف ہیں۔ زبان کی تدریس کا مقصد زبان کی بنیادی مہارتیں سکھانا ہے، یعنی طلبا میں بولنے، پڑھنے لکھنے اور سمجھنے کی مہارت پیدا کرانی ہے تاکہ وہ زبانی اپنے مافی الضمیر کو ادا کر سکیں، کسی عبارت کو بہ آواز بلند صحت اور روانی کے ساتھ پڑھ کر یا مناسب رفتار کے ساتھ خاموش مطالعے کے ذریعے نفس مضمون کی تفہیم کر سکیں اور اپنے خیالات کو صفائی اور روانی کے ساتھ ضبط تحریر میں لا سکیں۔

ادب کی تدریس کا مقصد یہ ہے کہ اپنی زبان کے سرمایۂ ادب سے طلبا کو روشناس کرایا جائے ان کے اندر ادبی اقدار کا شعور پیدا کیا جائے اور اس طرح ان کی وجدانی اور تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارا جائے۔ لیکن ان تمام مرحلوں میں زبان کی میکانکی مہارتوں کی مشق جاری رہے گی۔

زبان و ادب میں فرق ہونے کے باوجود دونوں میں ایک گہرا رشتہ ہے، جس کو سمجھنا ضروری ہے۔ دراصل ادب، زبان کی تحریری شکل ہے، لیکن ہر تحریر ادب نہیں ہوتی۔ تحریر کس قسم کی بھی ہو اس میں کسی نہ کسی امر کا بیان ہوتا ہے، لیکن ہر بیان ادب نہیں ہوتا۔ بیان عمدہ اور دلنشیں ہو سکتا ہے، لیکن پھر بھی ادب میں اس کا شمار نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر زرعی اصلاحات پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے، جس میں بیان کے ساتھ ساتھ حسن بیان بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ کتاب بوجوہ ادب کے زمرے میں نہیں داخل کی جا سکتی۔ گویا کسی تحریر کو ادب بننے کے لیے کچھ اور خصوصیت درکار ہے اور وہ ہے تخلیقی پیرایہ، جو ادیب کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اسی سے اس کا انفرادی اسلوب متعین ہوتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ

نثر پارہ غالب کا ہے، سرسید کا ہے یا حالی کا۔ زبان و بیان اور ترتیب و تشکیل کے اعتبار سے ان کے درمیان تمیز کی جا سکتی ہے اور اسلوب کے لحاظ سے نثر کی قسم کا تعین کیا جا سکتا ہے، یعنی نثر اگر محض واقعاتی ہے یا اس کے اندر علوم و فنون کا بیان ہے تو وہ علمی نثر کہلائے گی۔ لیکن جب پیرایۂ بیان تخلیقی ہو اور مصنف کی رائے تخئیل میں سموئی ہوئی ہو تو اس وقت وہ نثر ادبی نثر کا منصب حاصل کر لیتی ہے۔ ادبی نثر میں فن کار عبارت کی تشکیل کرتے وقت الفاظ کے انتخاب اور ان کے تخلیقی استعمال پر زور دیتا ہے اور انھیں تخئیل کے سانچے میں اس طرح ڈھال سکتا ہے کہ صورت و معنی کا حسین امتزاج پیدا ہو جائے۔ نثر رنگین، مرصع اور حسین بھی ہوتی ہے اور سادہ، اور سلیس بھی۔ رجب علی سرور کی نثر اچھی نثر میں نہیں شمار کی جاتی کیونکہ نثر کا منصب وضاحت اور صراحت ہے۔ سادگی نثر کا حسن ہے۔ اس میں بنیادی محرک یعنی خیال سادہ ہوتا ہے۔ اس میں پیچیدگی نہیں ہوتی بلکہ سلاست اور صفائی ہوتی ہے معنی کے لحاظ سے الفاظ بھی سادہ ہوتے ہیں اور مفہوم بالکل واضح ہوتا ہے۔

نثر کی سادگی اور شعر کی سادگی میں فرق ہوتا ہے۔ حالانکہ تشبیہ اور استعارے کا استعمال دونوں میں ہوتا ہے لیکن نثر میں اس کے باوجود مطلب واضح ہوتا ہے۔ شعر میں چونکہ جذبے کا پہلو شدید ہوتا ہے اس لیے شعر کا لہجہ بدل جاتا ہے اور الفاظ کے معنی سادہ نہیں رہتے۔

نصاب ہیئت کے اعتبار سے نثر کی مختلف اصناف ہیں جن کے نمونے درسی کتب میں شامل کیے جاتے ہیں۔ داستان، ناول، افسانہ، ڈرامہ، مضمون، سوانح، مکاتیب روزنامچے، سفرنامے، تاریخ، تنقید اور تبصرہ۔ ان تمام اصناف کے سبق داخلِ نصاب ہوتے ہیں۔ یہ اسباق نثر کے سبق تصور کیے جانے کے باوجود مفرد طریقۂ تدریس کے متقاضی ہوتے ہیں۔ لہٰذا زبان کے استاد کو اس سلسلے میں محتاط رہنا چاہیے اور طریقۂ تدریس متعین کرتے وقت اسباق کے انفرادی تقاضوں کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔ ہمارے مدرسوں میں عام طور سے اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ یہاں تک کہ ٹریننگ کالجوں میں مشقی اسباق کے دوران بھی تمام اسباق کو ایک ہی طرح پڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا تمام اصناف نثر سے کما حقہٗ واقف نہیں ہو پاتے اور ادب کی تعلیم تشنہ رہ جاتی ہے۔

معیار کی پستی زبان کی تعلیم سے متعلق عام احساس یہ ہے کہ اس کی تعلیم ناقص ہوتی ہے۔ اس کا معیار پست ہے اور اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاتی۔ ابتدائی مدرسے کے استادوں سے لے کر یونیورسٹی کے اساتذہ تک ہر شخص معیار کی پستی کا رونا روتا ہے۔ یونیورسٹی

کے اساتذہ ثانوی مدارس کے استادوں پر، ثانوی مدارس کے اساتذہ ابتدائی مدارس کے استادوں پر ذمے داری ڈال دیتے ہیں اور یہ شکایت کرتے ہیں کہ طلبا تو کیا اساتذہ تک کا شین قاف درست نہیں۔ اس میں کسی حد تک صداقت بھی ہے۔ اکثر مدارس میں ایسے اساتذہ اردو کی تعلیم پر مامور ہیں، جن سے تلفظ کی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، جو صفائی اور روانی کے ساتھ گفتگو نہیں کر پاتے اور کبھی لب و لہجہ بھی غیر مانوس ہوتا ہے۔ نصاب اور درسی کتابوں کو دیکھیے تو اور زیادہ کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے درسی کتب میں معلومات فرسودہ، تربیت ناقص اور طباعت کی غلطیاں مضحکہ خیز حد تک ہوتی ہے۔

معیار کی پستی اور درسی کتابوں کی کم مائیگی کا احساس اس وقت زیادہ ہوتا ہے جب ٹریننگ کالج کے زیر تربیت اساتذہ مشقی اسباق کے لیے جاتے ہیں۔ بی ایڈ کے زیر تربیت استاد نے میر کا یہ شعر اس طرح پڑھ کر سنایا۔

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو ؛ ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

استاد نے نہایت اطمینان سے 'پورب' کے بجائے 'یوروپ' کے ساکنو پڑھا دیا۔ طباعت میں اتفاق سے 'پ' کا ایک نقطہ رہ گیا تھا۔ کشمیر کی صنعت و حرفت کا سبق ایک دوسرے زیر تربیت استاد پڑھا رہے تھے۔ لفظ تھا 'شال بانی'، لیکن طباعت کی غلطی کی وجہ سے 'ف' کا چہرہ 'ن' میں تبدیل ہو گیا اور بغیر کسی تکلف کے 'شال بانی' پڑھا دیا گیا۔ توبۃ النصوح کے ایک اقتباس "مرزا ظاہر دار بیگ" میں ایک مقام پر مرزا ظاہر دار بیگ فرماتے ہیں... میر ندو کے کبابوں میں وہ خستگی کہاں..... لیکن طباعت کی غلطی سے 'کبابوں' کے بجائے 'بالوں' چھپ گیا۔ چنانچہ استاد نے بغیر کسی تکلف کے اسی طرح پڑھا دیا۔ ناقص طباعت کے چند نمونے پیش کرنے کی غرض و غایت یہ ہے کہ ٹریننگ کالجوں میں چونکہ مواد مضمون نہیں پڑھایا جاتا بلکہ وہاں تعلیم کا دائرہ محض طریقۂ تدریس تک محدود رکھا جاتا ہے، اس لیے ان غلطیوں کی روک تھام مشکل ہوتی ہے۔ اس کا حل صرف اسی صورت میں ڈھونڈا جا سکتا ہے جب طریقۂ تدریس مواد مضمون کے حوالے سے پڑھایا جائے۔ یہ اس لحاظ سے بھی سود مند ثابت ہوگا کہ پڑھانے کے طریقے ہوا میں معلق نہیں ہوں گے بلکہ ٹھوس مثالوں کے ذریعے طریقۂ تدریس پڑھایا جائے گا۔

مقاصد ان تمام نامساعد حالات کے باوجود بہت سے مدرسوں میں اردو کی تعلیم کا کام انجام دیا جا رہا ہے۔ اس لیے اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ تدریس نثر کا ایک معقول طریقۂ تدریس تجویز کیا جائے۔ ایسا طریقہ جو اساتذہ کے لیے بامقصد اور طلبا کے لیے

دلچسپ ہو۔ لہٰذا استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقاصد کا تعین ٹھیک ٹھیک کرے۔ مقاصد کا تعین کرتے وقت زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ استاد خود سے سوال کرے کہ کسی مخصوص سبق کو پڑھا کر طلبا میں کسی بات کی مہارت، صلاحیت، تفہیم اور بصیرت پیدا کرانا مقصود ہے۔ ثانوی منزل پر اردو نثر کی تدریس کے مقاصد ابتدائی منزل سے مختلف ہوں گے، اس لیے کہ اس منزل پر زبان کی تدریس کے مقاصد میں شعر و ادب کی تدریس خصوصیت کے ساتھ شامل ہوگی اور ابتدائی منزل کی تمام مہارتوں کی مشق جاری رہے گی۔

تمہید مقاصد کے تعین کے بعد سبق کو متعارف کرایا جاتا ہے۔ یہ منزل تمہید کی ہوتی ہے۔ یعنی ذہنی آمادگی کی منزل۔ طلبا میں ذہنی آمادگی پیدا کرنے کی مختلف صورتیں اپنائی جاتی ہیں۔ کبھی موضوع کا سہارا لیا جاتا ہے، کبھی گرد و پیش کے ماحول کو ذریعہ بنایا جاتا ہے یا کبھی انوکھے یا منفرد اسلوب بیان کے ذکر سے نامعلوم مواد کو پیش کیا جاتا ہے۔ عام طور سے ان سب طریقوں میں اس بات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ سابقہ معلومات کی بنیاد پر نفس مضمون تک طلبا کی رہنمائی کی جائے۔ لیکن عام طور سے ربط کا جو طریقہ اپنایا جاتا ہے، وہ بہت ہی دور از کار ہوتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تمہید کا سبق کی اگلی منزلوں سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا جب کہ سابقہ معلومات اور تمہید میں ایک منطقی ربط پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

سابقہ معلومات کی بنیاد پر تمہید باندھنے کے کام میں سوال و جواب کا پیرایہ اختیار کیا جاتا ہے یا بات چیت کے ذریعے تمہید اٹھائی جاتی ہے۔ اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے یہ سوالات تمہیدی سوالات کہلاتے ہیں۔ سوالات کی ترتیب اس طرح قائم کی جاتی ہے کہ زیر درس عنوان تک طلبا کی بتدریج رہنمائی کی جائے۔ یہاں استاد کو بہت چوکس رہنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ طالب علم کا جواب کسی اور جانب رہنمائی کرے۔ ایک ہوشیار استاد ایسے موقع پر نئے سوالات سوچ لیتا ہے اور ان کی مدد سے صورت حال کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

سابقہ معلومات کی بنیاد پر تمہید اٹھانے کا طریقہ ہمیشہ کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ ایسے اسباق بھی ہو سکتے ہیں جن کی تمہید سابقہ معلومات کی بنیاد پر نہ باندھی جا سکے بلکہ کسی بیان، کہانی، سوانح یا سبق کے مرکزی خیال کو ذریعہ بنایا جائے۔ اس موقع پر استاد کو سوال و جواب کے بجائے گفتگو اور بات چیت کو وسیلہ بنانا ہوگا۔ طریقہ کوئی بھی ہو، مقصد یہ ہے کہ مجوزہ سبق تک طلبہ کی رہبری کی جائے اور سوالات ہوں یا گفتگو، ہر صورت میں تسلسل قائم رکھا جائے۔

اعلان سبق آخری تمہیدی گفتگو یا سوال گریز کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے کہ طلبا میں تعجب، استعجاب یا تجسس کی کیفیت پیدا ہو جائے اور وہ نئے سبق کو پڑھنے کے لیے بے تاب ہو جائیں۔ یہ ایک نفسیاتی لمحہ ہوتا ہے، جس میں طلبا کو اصل موضوع سے خوش اسلوبی کے ساتھ متعارف کرایا جا سکتا ہے اور زیر درس سبق کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر تمام امور کی جانب طلبا کو متوجہ کرانا ہوتا ہے، جنھیں سبق کے دوران خصوصیت کے ساتھ توجہ دینی ہے۔ عام طور سے اساتذہ میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ نفس مضمون پر زیادہ زور دیتے ہیں جب کہ زبان کی تعلیم کا مقصد معلومات بہم پہنچانا نہیں ہوتا بلکہ نفس مضمون کے ذریعے زبان و ادب کی تعلیم مقصود ہوتی ہے اور لسانی مہارتیں پیدا کرنی ہوتی ہیں۔

نمونے کی بلند خوانی نئے سبق سے طلبا کو متعارف کرانے کے بعد اب متن پیش کرنے کی منزل آتی ہے۔ اس موقع پر استاد عبارت کو باآواز بلند پڑھ کر سناتا ہے بلند خوانی کا یہ عمل نمونے کا عمل ہوتا ہے۔ اس لیے اس نمونے کو نمونے کی بلند خوانی کہتے ہیں۔ اس میں خوش خوانی کے تمام اوصاف موجود ہوتے ہیں۔ بلند خوانی کے دوران تلفظ، تفصیل، روانی، تغیر لحن اور رموز و اوقاف کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور بحیثیت مجموعی عبارت اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ سننے والے پر ایک تاثر قائم ہو جائے۔ یہ کام اسی وقت بحسن و خوبی انجام دیا جا سکتا ہے، جب استاد اچھی طرح تیاری کر کے آئے۔ بلند خوانی کے دوران اگر استاد سے الفاظ کے تلفظ کی ادائیگی، تاکید یا وضاحت میں کسی قسم کی غلطی ہو گئی، تو تدریس کے حق میں بہت مضر ثابت ہوگی۔ اس لیے استاد کو نمونے کی بلند خوانی کرتے وقت بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ اگر تلفظ یا اعراب کی کوئی غلطی رہ گئی یا پڑھتے وقت تاکید اور وضاحت کا خیال نہ رکھا گیا تو شاگردوں پر برا اثر پڑیگا۔ اگر استاد کمرۂ جماعت میں داخل ہونے سے پہلے مجوزہ سبق پر ایک نظر ڈال لے، تو اس قسم کی غلطی کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے

تلفظ کی مشق عبارت خوانی کے بعد اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ عبارت کی مشکلات کو دور کر دیا جائے تاکہ طلبا کو عبارت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئے۔ لہٰذا پہلے نئے اور مشکل الفاظ کے تلفظ کی مشق کرائی جائے گی اور بعد میں نئے الفاظ کے معنی بتائے جائیں گے۔

زبان کے اکثر اسباق میں تلفظ کی مشق کا کام خاطر خواہ طور پر نہیں انجام دیا جاتا بلکہ اکثر و بیشتر

اس کا میں غیر سنجیدگی بھی اختیار کی جاتی ہے اور سہولت اور من آسانی کے خیال سے استاد اجتماعی طور پر چند الفاظ کے تلفظ کی مشق کرا دیتا ہے۔ اجتماعی مشق سے طلبا کو انفرادی طور پر استفادے کا موقع نہیں ملتا اور نہ ہی اس کا تلفظ درست ہو پاتا ہے۔ اس لیے تلفظ کی مشق کے لیے ہمیشہ انفرادی طریقہ اپنانا چاہیے۔ طریقۂ کار یہ رکھنا چاہیے کہ پہلے لفظ تختۂ سیاہ پر لکھ دیا جائے۔ استاد دو تین بار بآواز بلند اس کا تلفظ خود ادا کرے اس کے بعد انفرادی طور پر طالب علم سے تلفظ ادا کرائے۔ اس طرح مشکل الفاظ کے تلفظ پر انفرادی طور پر طلبا کو قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ تلفظ کی مشق کے دوران حروف کے صحیح اعراب اور صحیح لہجے کے ساتھ آواز کی ادائیگی اور لفظ کے ارکان کو واضح طور پر پڑھنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔

تلفظ کے معاملے میں بڑی دشواری یہ پیش آتی ہے کہ بعض الفاظ کے تلفظ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تلفظ کا یہ اختلاف اساتذہ میں بھی نظر آتا ہے لہٰذا زبان کے استاد کو اس سلسلے میں خاص طور سے محتاط رہنا چاہیے۔ تلفظ کی صحت کے لیے مناسب رویہ یہ ہوگا کہ قیاسی اور سماعی دونوں طرح کے پہلوؤں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ قیاسی اصول کے مطابق الفاظ کا تلفظ صرفی اصول کے بنیاد پر طے کیا جاتا ہے یعنی تلفظ کی صحت گرامر کی رو سے پرکھی جاتی ہے۔ سماعی ملحوظات کے پیش نظر الفاظ کا تلفظ گرامر کے اصول کے تحت نہیں طے کیا جاتا بلکہ مستند اور اہل زبان حضرات کی گفتگو اور بول چال سے سند لی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں مستند لغت بھی معاون ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر لفظ کے تلفظ پر استاد کو شبہ ہو یا کوئی دقت پیش آئے تو اُسے تحقیق کر لینی چاہیے۔ استاد کا تلفظ اگر صحیح نہ ہو تو شاگردوں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا استاد کو اپنی تدریس میں تلفظ کو اہمیت دینی چاہیے۔

اخذِ معنی نئے الفاظ کے معنی بتانے کی منزل پر ایک دقت یہ سامنے آتی ہے کہ جماعت کا معیار یکساں نہیں ہوتا۔ بعض طالب علم آسان لفظوں کے بھی معنی نہیں جانتے اور بیشتر الفاظ کے بھی معنی نہیں جانتے اور بعض بیشتر الفاظ کے معنی بخوبی جانتے ہیں۔ ایسی صورت میں استاد کے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ وہ کن الفاظ کو معنی بتانے کے لیے منتخب کرے۔ اگر درسی کتابیں الفاظ کی دقت کے اعتبار سے ترتیب دی جائیں اور ہر سبق کے شروع میں نئے الفاظ نمایاں طور پر درج کر دیے جائیں تو یہ مشکل نہ پیش آئے لیکن عام طور پر درسی کتابوں میں اس بات کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ استاد کو اپنے صوابدید پر ایک اوسط معیار کو سامنے رکھتے ہوئے الفاظ کا

انتخاب کرنا پڑتا ہے۔

الفاظ کے معنی بتاتے وقت ایک عام اصول یہ ذہن نشین کرنا چاہیے کہ لفظ نہ تو گفتگو اور نہ بول چال کی اکائی ہے اور نہ ہی الفاظ کے کوئی علیحدہ معنی ہوتے ہیں۔ معنی کا تعین عبارت یا جملے کے سیاق و سباق میں ہوتا ہے۔ ہم جب بولتے ہیں تو لفظ نہیں بولتے جملہ بولتے ہیں۔ اس لیے الفاظ کے معنی بتاتے وقت الفاظ کو متن سے جدا نہیں کرنا چاہیے بلکہ متن ہی کے سیاق و سباق میں ان کی تشریح کرنی چاہیے۔ لیکن اس کام میں اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ طالب علم کا ذہن پوری طرح فعال ہو اور وہ پوری طرح معنی اخذ کرنے کی کوشش کرے۔

اس کلیے کو تسلیم کرنے کے بعد کہ الفاظ بذات خود کوئی معنی نہیں رکھتے بلکہ محل استعمال کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ استاد لغوی معنی کے ساتھ ساتھ مرادی معنی کی طرف بھی اشارہ کرتا جائے تاکہ طالب علم کو مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

الفاظ کے معنی بتانے کے حسب ذیل طریقے اپنائے جاسکتے ہیں۔

(۱) مترادف اور متضاد الفاظ کی مدد سے معنی اخذ کرانا۔ اگر لفظ کے معنی طالب علم کو نہیں معلوم، تو مترادف یا متضاد لفظ پیش کر کے معنی اخذ کرائے جاتے ہیں۔ یہ صورت اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب لفظ مترادف یا متضاد الفاظ کے قبیل سے تعلق رکھتا ہو۔

(۲) مرکب الفاظ کی تحلیل کرانا۔ دو یا دو سے زیادہ الفاظ سے مل کر جو لفظ بنتا ہے، مرکب لفظ کہلاتا ہے، جیسے گراں خواب، حتی المقدور وغیرہ۔ اسی طرح بعض الفاظ میں سابقے اور لاحقے لگا دیے جاتے ہیں مثلاً ترتیب دار اور غیر فصیح۔ ان تمام الفاظ کے معنی الفاظ کی تحلیل کر کے طلبا سے اخذ کرائے جاسکتے ہیں۔

(۳) جملے کے سیاق و سباق میں لفظ پیش کرنا:۔ اگر مذکورہ بالا دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں تو استاد کو چاہیے کہ جملے میں لفظ کو استعمال کر کے طلبا سے معنی اخذ کرائے لیکن جملے ایسے بنانے چاہئیں جس سے طلبا کو معنی اخذ کرنے میں سہولت ہو۔

(۴) طلبا سے براہ راست معنی پوچھنا:۔ اگر یہ تینوں صورتیں ناکام ہو جائیں اور طلبا کا اشتراک حاصل کرنے کی کوئی صورت نظر نہ آئے، تو پھر براہ راست لفظ کے معنی بتا دینے چاہئیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی طالب علم زیر غور لفظ کے معنی سے واقف ہو۔ اگر طالب علم نے بالکل صحیح نہیں بتائے بلکہ قریب قریب صحیح معنی بتائے ہیں یا معنی مکمل نہیں ہے تو استاد کو چاہیے کہ وہ صحیح صحیح بالکل معنی بتائے۔

تلفظ کی مشق اور الفاظ کے معنی بتا دینے کے بعد عبارت کی تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں اور اب طالب علم سہولت کے ساتھ عبارت کا مفہوم سمجھ سکتا ہے۔

خاموش مطالعہ عبارت کی تفہیم کے لیے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ عبارت کا خاموشی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔ لہٰذا استاد کو چاہیے کہ الفاظ کے معنی بتانے کے بعد طلبا سے عبارت کا خاموش مطالعہ کرائے۔ خاموش مطالعے سے دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ طالب علم میں زود خوانی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور دوسرا یہ کہ طالب علم عبارت کا مفہوم بہتر طریقے سے اخذ کر لیتا ہے۔ خاموش مطالعے کے دوران کمرۂ جماعت میں مکمل خاموشی رہنی چاہیے۔ پڑھتے وقت طالب علم کسی قسم کی آواز نہ نکالیں اور نہ ہونٹ ہلائیں صرف نظر سے کام لیں اور عبارت کا اس طرح مطالعہ کریں کہ مفہوم مکمل طور پر واضح ہو جائے۔ یہ ماحول کمرۂ جماعت میں اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب استاد اپنے طالب علموں پر خاموش مطالعے کی اہمیت واضح کر دے اور خاموش مطالعہ شروع کرانے سے پہلے اس سلسلے میں ضروری ہدایات دے دے۔ دوران مطالعہ کسی قسم کی ہدایت نہیں دینی چاہیے، ورنہ طلبا کی توجہ بٹ جانے کا احتمال ہے۔

درست مطالعے کی عادت ڈالنے کے لیے طلبا کے طریقہ نشست پر بھی توجہ دینی چاہیے اور اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ کمرۂ جماعت میں روشنی اور ہوا کا معقول انتظام ہے۔ یہ تمام باتیں مؤثر مطالعے میں معاون و مددگار ہوتی ہے۔

تفہیم عبارت خاموش مطالعے کی کامیابی و ناکامیابی کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب استاد تفہیم عبارت کے سوالات پوچھتا ہے۔ تفہیم عبارت کے سوالات نہایت توجہ کے ساتھ ترتیب دینے چاہئیں۔ ان سوالات سے عبارت میں پوشیدہ خیالات کے تسلسل اور ارتقا کا اظہار ہونا چاہیے۔ ابتدائی درجات میں تو تفہیم محض نفس مضمون تک محدود ہوتی ہے اور اس کی نوعیت بڑی حد تک معلوماتی ہوتی ہے۔ لیکن ثانوی اور اعلیٰ ثانوی منزل پر تفہیم کی صورت بدل جاتی ہے اور جوں جوں آگے بڑھتے جاتے ہیں تفہیم کی تہیں گہری اور متنوع ہوتی جاتی ہیں۔

ثانوی منزل پر اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ طلبا ان تصورات کو بھی ذہن نشین کر لیں جو الفاظ کے پیچھے پوشیدہ ہیں اور ان کے وسیلے سے زبان و بیان کا لطف حاصل کریں۔ ان میں اس بات کی بھی صلاحیت پیدا ہونی چاہیے کہ عبارت کا خلاصہ بیان کر سکیں، عبارت کی سرخی تجویز کر سکیں۔

انھیں مفہوم اخذ کرنے پر اتنی قدرت ہونی چاہیے کہ وہ عبارت کے ظاہری مفہوم تک محدود نہ رہیں بلکہ بین السطور مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن یہ کام اعلیٰ ثانوی منزل پر زیادہ موثر طریقے سے انجام دیا جاسکتا ہے۔

تفہیم عبارت کے سوالات کے جواب وصول کرتے وقت استاد کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ شاگردوں کے صحیح جواب کو اپنے الفاظ میں اس طرح پیش کریں کہ نہ صرف مفہوم واضح ہو جائے بلکہ فقرے، محاورے، ضرب المثل، تشبیہ، استعارے اور دیگر لسانی خصوصیات سے بھی شاگرد حظ اٹھا سکے اور عبارت کی تشریح و توضیح کے ساتھ ساتھ لسانی اور ادبی خوبیوں سے بھی لطف اندوز ہو سکے۔

اسلوب بیان تفہیم عبارت کی بنیاد پر طرز تحریر یا اسلوب بیان اخذ کرایا جاتا ہے۔ اگر شاگردوں نے بحسن و خوبی عبارت کی تفہیم کر لی ہے، تو اسلوب بیان اخذ کرانے میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی۔ اسلوب بیان اخذ کراتے وقت عام طور پر کتابی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی کتاب میں مصنف کے طرز نگارش سے متعلق جو خصوصیات بیان کی جاتی ہیں ان ہی کا اعادہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بجائے یہ بہتر ہوگا کہ زیر مطالعہ مواد کی بنیاد پر فنی و لسانی خصوصیات اخذ کرائی جائیں تاکہ طالب علم میں اسلوب بیان سے متعلق صحیح بصیرت پیدا ہو سکے۔

زبان کا کام اسلوب بیان اخذ کرانے کے بعد استاد کو یہ دیکھنا چاہیے کہ طلبا نے سبق کے دوران جو ادبی و لسانی صلاحیتیں پیدا کی ہیں وہ کس حد تک ان کے تجربے کا حصہ بن پائی ہیں۔ آموزشی تجربات جب حقیقی تجربے کی شکل اختیار کرتے ہیں تو اس وقت طالب علم میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ سیکھے ہوئے تجربات کا نئی صورت حال میں انطباق کر سکیں۔

تطبیق کے عمل کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ثانوی منزل کے ابتدائی درجات سے لے کر اعلیٰ درجات تک معیار کے مطابق اس کی درجہ بندی ہونی چاہیے اور اس میں گرامر کے کام کو بھی شامل کرنا چاہیے۔ گرامر کو متن سے جدا کر کے پڑھنا نامناسب نہیں، بلکہ زیادہ اچھا ہو کہ اس کو مشقی انشا کا ایک حصہ بنا لیا جائے۔ مشقی انشا کے اندر حسب ذیل کام شامل ہو سکتے ہیں۔

1۔ لفظوں اور محاوروں کو نئے جملوں میں استعمال کرانا۔

2۔ تصریح اور خلاصہ لکھوانا۔

3۔ مرکزی خیال اخذ کرانا۔

4۔ کسی کردار کے حسن و قبح پر اظہار خیال کرانا۔

5۔ کسی عبارت کی ادبی خوبیوں کو پرکھ کر اپنے الفاظ میں بیان کرنا۔

انفرادی بلند خوانی اس کے بعد فرداً فرداً شاگردوں سے عبارت پڑھوائی جائے گی اس دوران تلفظ کی ادائیگی، روانی، تاکید اور وضاحت کا خاص طور سے خیال رکھا جائے گا۔ عام طور پر پڑھتے وقت شاگرد یا تو بہت اٹک اٹک کر پڑھتے ہیں یا بہت تیز رفتاری کے ساتھ۔ یہ دونوں باتیں عبارت خوانی کا نقص ہیں۔ اس لیے استاد کو انفرادی بلند خوانی کے دوران خصوصیت کے ساتھ ان دونوں باتوں پر توجہ رکھنی چاہیے۔

انفرادی بلند خوانی کے لیے عام طور پر طلبا میں اشتیاق پایا جاتا ہے۔ ادر جے میں عموماً چالیس لڑکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا تمام لڑکوں سے روز سبق پڑھوانا ممکن نہیں لیکن یہ کوشش ضرور کرنی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ لڑکوں کو پڑھنے کا موقع ملے۔ بعض اساتذہ کمزور بچوں کو بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں اور ان سے بلند خوانی کرانا تضیع اوقات سمجھتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں۔ جماعتی تدریس کے ساتھ ساتھ انفرادی تدریس کا طریقہ بھی اپنانا چاہیے۔

4

تدریسِ نظم

عام ملحوظات شخصیت کی ہمہ جہت نشوونما تعلیم کا ایک اہم مقصد ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مدرسے میں بہت سے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ لیکن مدرسوں کے نصاب کا اگر بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو وقوفی یا معلوماتی پہلو غالب نظر آتے ہیں اور اُن عناصر کے فروغ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا جاتا، جن کو ہم شخصیت کے جمالیاتی اور وجدانی پہلو سے تعبیر کرتے ہیں۔ جمالیاتی اور وجدانی پہلو کو فروغ دینے کے لیے مدرسے کے اندر شعر و سخن کی تدریس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ اسی لیے زبان و ادب کی تعلیم میں شعر و سخن کی تدریس پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔

نغمہ اور راگ سے انسان کو فطری لگاؤ ہوتا ہے۔ کوئی بات جب ہم نثر میں کہتے ہیں تو محسوسات، جذبات اور خیالات کا عکس تو نظر آتا ہے۔ لیکن اس کا وہ اثر نہیں ہوتا، جو نظم میں بیان کرنے سے ہوتا ہے۔ نظم میں کہنے سے بات زیادہ موثر ہو جاتی ہے اور سننے والے کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نظم میں راگ ہوتا ہے اور یہی راگ سب سے پہلے سننے والے کے دل پر اثر کرتا ہے۔

نظم اور نثر کے فرق کو واضح کرنے کے لیے دونوں کے اسلوب کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔ نثر کا اسلوب تعبیری ہوتا ہے اور نظم کا وجدانی اور تخلیقی۔ نثر کو ہم چلنے سے اور نظم کو رقص سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ گویا اوّل الذکر میں چلنا پھرنا اور روزمرّہ کے کام کاج شامل ہیں اور آخر الذکر میں توازن کا ادراک، موزونیت اور آہنگ یعنی حقیقت کا جمالیاتی ادراک مضمر ہے۔ شعر کی ایک بڑی خصوصیت آہنگ اور موسیقی ہے، جو کانوں کو بھلی لگتی ہے۔ اسی لیے اس کو سماعت کا آرٹ کہا جاتا ہے۔ اگر انسان کا جمالیاتی ذوق بیدار ہو تو وہ شعر کا مطالعہ کرتے وقت کسی اچھے شعر پر اچانک رُک جاتا ہے اور اس کو گنگنانے لگتا ہے۔ شعر اس کے دماغ پر اس طرح کا نقش چھوڑ جاتا ہے کہ بار بار دہرانے میں اس کو مزہ آنے لگتا ہے۔ شعر کا آہنگ بچے کی گفتگو اور تقریر میں آہنگ پیدا کر دیتا ہے۔ شعر کے دہرانے سے اچھے جملے

اور تراکیب اس طرح ذہن میں محفوظ ہو جاتی ہیں کہ گفتگو کا حصہ بن جاتی ہیں اور تقریر میں شستگی اور شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر تاریخ تعلیم پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ریاضی اور ادب کے درس کی روایت بہت قدیم ہے۔ کلاسیکی ادب کے مطالعے میں شعر و سخن کی تدریس پر زور دیا گیا ہے۔ اس زمانے میں شعر کو صحیح تقطیع، وزن اور آہنگ کے ساتھ پڑھنے کی بڑی مشق کرائی جاتی تھی۔ اگر کوئی طالب علم شعر پڑھتے وقت صحیح اعراب کا خیال نہ رکھتا تو استاد کو بہت ناگوار گزرتا۔ اس کے ساتھ اشعار کا حفظ کرنا، ان سے لطف اندوز ہونا اور برمحل اشعار کا استعمال شائستہ و شستہ مذاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ماضی کے پس منظر میں جب حال کا جائزہ لیا جاتا ہے تو صورت حال بہت کچھ مختلف نظر آتی ہے۔ صورت حال کا یہ اختلاف عین فطری ہے۔ زمانہ، ماحول اور افراد تغیر پذیر ہیں۔ چنانچہ تعلیم کے تصورات، نظریات اور طریقۂ تدریس میں بھی تغیر نظر آتا ہے۔ ایک فرق یہ بھی بہت واضح ہے کہ ماضی میں تعلیم تک محض خواص کی رسائی ہوتی تھی لیکن آج تعلیم عام ہو چکی ہے۔ کتابیں اب ہیرے جواہرات کی طرح اتنی کمیاب نہیں کہ محض دولت مندوں کی ملکیت ہوں۔ اب کتابیں ہر کس و ناکس کو میسر ہیں اور ہر شخص اپنی بساط کے مطابق کتابوں سے مستفید اور لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ مدرسہ، معلم اور شاگرد کی دنیا سے باہر قدم رکھیے، تو سمعی اور بصری وسیلے شعر و سخن کی محفلیں گرماتے ہیں۔ ریڈیو، فلم، ٹیلی ویژن، اخبار اور رسائل کے ذریعے شعر و شاعری کا بازار گرم ہے۔ عوامی سطح پر دیکھیے تو لوک کتھاؤں اور گیتوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے لیکن سمعی اور بصری وسیلوں پر اشتہاری اور تجارتی رجحانات کا غلبہ ہے، جس کی وجہ سے مذاق سلیم کو سخت خطرہ لاحق ہے۔ اس لیے اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ شعر و سخن کی تعلیم پر زیادہ زور دیا جائے تاکہ نوخیز ذہنوں کی صحیح تربیت اور مذاق سلیم کی آبیاری ہو سکے۔

یوں تو مدرسے میں پڑھائے جانے والے تمام مضامین کی اہمیت ہے۔ لیکن تدریس نظم کی اس اعتبار سے بھی اہمیت ہے کہ تہذیب و تمدن کے فروغ میں اس کا اہم رول ہے۔ تاریخ، جغرافیہ، سائنس اور زبان کی تعلیم میں حصول معلومات پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن نظم پڑھتے وقت طالب علم اچانک ایک ایسی دنیا میں پہنچ جاتا ہے، جو تخیل کی دنیا ہوتی ہے، جہاں اس کی حسیت فروغ پاتی ہے۔ اس کے جذبات کی تربیت ہوتی ہے اور اس کے تمام حواس بیدار ہو جاتے ہیں اور وہ ایک ایسی سحر آفریں کیفیت سے دوچار ہوتا ہے، جو لطف و انبساط کا باعث ہوتی ہے۔

شعری تجربے اور سائنسی تجربے میں بہت فرق ہے۔ اگر چار ماہر سائنس ایک ہی قسم کا تجربہ کریں، تو عموماً نتائج بھی مماثل برآمد ہوں گے۔ لیکن اگر چار شاعر ایک ہی موضوع پر طبع آزمائی کریں تو چاروں کی شاعری ایک دوسرے سے مختلف ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ آرٹ میں حقائق کو افتادِ طبع کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے اور چونکہ دو اشخاص کی افتادِ طبع بالکل ایک جیسی نہیں ہوتی، اس لیے شعری تجربے بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ شاعر کا تخیل بہت وسیع ہوتا ہے۔ مشہور سائنس داں آئنسٹائن نے بھی تخیل کی اہمیت کو سمجھا ہے اس کا کہنا ہے کہ تخیل کی وسعت حقائق کے علم سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ علم تو محدود ہے، لیکن تخیل تمام کائنات پر محیط ہے۔ اس لیے طالب علموں کو اس بات کے پورے مواقع فراہم کرنے چاہئیں کہ وہ شاعری کے مطالعے سے اپنے تخیل کی بھرپور نشوونما کر سکیں، اور ادبی، جمالیاتی اور وجدانی قدروں کو پرکھ سکیں۔

معیار کی پستی

مذکورہ بالا ملحوظات کے پیشِ نظر مدرسے کے نصاب میں ادبیات کی تعلیم پر جس قدر توجہ کی ضرورت ہے، وہ نہیں دی جا رہی ہے اور جس نہج پر اس کی تعلیم کا انتظام ہے وہ بھی بہت ناقص ہے۔ شعر و ادب کی بہتر تعلیم کے سلسلے میں دو بڑی دشواریاں ہیں، ایک تو یہ حقیقت کہ طلبا کے اندر زبان دانی کی اہلیت کم ہوتی جا رہی ہے اور دوم یہ کہ اکثر اوقات بنیادی مہارتوں کا بھی فقدان نظر آتا ہے۔ ایسی صورت میں تدریسِ نثر کا ہی حق ادا ہونا مشکل ہے، ما تدریسِ نظم کا کیا ذکر! اس دشواری پر قابو پانے کی عملی صورت یہ نظر آتی ہے کہ ابتدائی، مڈل اور ثانوی منزل پر بھی طلبا کے معیار پر ایک حقیقت پسندانہ نظر ڈالی جائے۔ عام تعلیم کے اس دور میں استاد اور شاگرد دونوں کا وہ معیار نہیں جو پہلے تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بیشتر معلم اور متعلم ایسے ہیں جن کے آبا و اجداد باضابطہ تعلیم سے یکسر بے بہرہ تھے اور یہ پہلی نسل ہے جس نے پڑھنا لکھنا سیکھا ہے۔ لہٰذا ان سے ایسے معیار کی توقع نہیں کی جا سکتی جو کسی زمانے میں چند خاندانوں کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ادبی معیار قرار دیا جائے۔

معیار کے علاوہ نظم کے استاد سے جو خصوصی مطالبات کیے جاتے ہیں، وہ بھی حقائق پر مبنی نہیں۔ بعض اربابِ فکر کا خیال ہے کہ نظم کے لیے خصوصی طور پر تربیت یافتہ اساتذہ درکار ہوں گے۔ ایسے اساتذہ جنھیں مضمون پر عبور ہو، جو شعر و شاعری کا شائستہ مذاق اور ادبیات عالم سے شغف رکھتے ہوں، بس انگلیوں پہ گنے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا از روئے حقیقت اس بات کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ نظم کی تدریس، تدریسِ زبان کا ہی ایک حصہ ہے۔ زبان کے استاد کی تیاری کسی

حد تک مخصوص ہے۔ اس لیے ہر وہ استاد جو زبان کا استاد کہلانے کا مستحق ہے، تدریسِ نظم کا بھی استاد ہے۔ تاہم زبان کے استاد سے یہ مطالبہ ضرور کرنا چاہیے کہ زبان و ادب کے مطالعے سے اپنے علم کو تازہ رکھے، ریڈیو، اخبار و رسائل سے استفادہ کرے اور خشک، بے جان اور میکانیکی طریقوں کے بجائے دلچسپ، فرحت انگیز اور تخلیقی طریقہ تدریس اپنائے۔

نصاب اس کام میں ایک بڑی دقّت نصاب کی ہے۔ اس کی ذمے داری استاد پر براہِ راست تو نہیں ہوتی لیکن بالواسطہ طور پر اساتذہ ہی تعیّن نصاب کے ذمہ دار قرار دیے جاتے ہیں۔ نصاب مرتب کرتے وقت نہ صرف نفسِ مضمون کو ذہن میں رکھنا چاہیے بلکہ یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ منفی رجحانات، توہمات اور غلط تصوّرات سے نوخیز ذہنوں کو پاک رکھا جائے۔ خاص طور سے ابتدائی درجات کے بچّوں کے لیے ایسی نظمیں داخلِ نصاب نہ کی جائیں، جن سے منفی رجحانات مثلاً مایوسی، ظلمت پرستی، توہّم پرستی وغیرہ پرورش پائیں بلکہ ایسی نظموں کا انتخاب کرنا چاہیے، جن سے جذبات کی توسیع و تربیت ہو اور طلبا کے دل میں نشاط و انبساط کی کیفیت پیدا ہو۔

مڈل اور ثانوی اور اعلیٰ ثانوی منزل پر نصاب کا مسئلہ اور بھی پیچیدہ ہے۔ اگر ان درجات کی درسی کتب کا جائزہ لیا جائے تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ بیشتر کتابیں تصوّراتی مواد کے لحاظ سے مشکل، نفسیاتی اعتبار سے غیر دلچسپ اور معیار کے لحاظ سے ناقابلِ فہم ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا میں بددلی پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان درجات کے لیے ایک عمدہ نصاب تیار کرتے وقت ادوار، اصنافِ سخن اور مضامین کی نوعیت کے ساتھ ساتھ دلچسپی کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔

انتخاب تدریسِ نظم میں، نظموں کے انتخاب کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ مثالی صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ استاد اپنے ذوق اور طالب علموں کے مذاق کے مطابق نظموں کا انتخاب کرے۔ اسی صورت میں وہ نظم کی تدریس کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اگر استاد کے پاس پسندیدہ نظموں کا مجموعہ موجود ہے، تو طالب علم کی عمر، جنس، ذہانت اور شوق کا پاس رکھتے ہوئے نظم کا انتخاب کر سکتا ہے۔ نظم کا شوق پیدا کر کے طالب علموں میں جمالیاتی ذوق کی نشو و نما کی جا سکتی ہے اور ان میں یہ شوق بھی پیدا کیا جا سکتا ہے کہ مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد عمدہ نظموں کو جمع کرنے کے کام کو اپنا ایک دلچسپ مشغلہ بنا لیں۔

مقاصد نظم کے انتخاب کے بعد مقاصد کا تعین ضروری ہے۔ یعنی نظم پڑھا کر ہم طالب علموں سے کس بات کی توقع کرتے ہیں۔ نظم کا اولین مقصد لطف اندوزی ہے۔ لیکن بعض لوگ لطف اندوزی کو اہمیت نہیں دیتے۔ ان کا کہنا ہے کہ نظم پڑھا کر لطف اندوزی کی صلاحیت نہیں پیدا کی جاسکتی۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ جس طرح موسیقی سے لطف حاصل کرنے کے لیے سرگم کا جاننا ضروری نہیں، اسی طرح نظم سے لطف اندوز ہونے کے لیے معنی و مطلب کا علم ضروری نہیں بلکہ مدرسوں میں موسیقی کی تعلیم اس لیے دی جاتی ہے کہ موسیقی سے طلبا کو لطف اندوز کرایا جائے اور انھیں موسیقی سکھائی جائے۔

تدریس کا اصل مقصد یہ نہیں کہ نظم میں استعمال شدہ مشکل یا نامانوس الفاظ و تراکیب کے معنی اور مطلب سمجھائے جائیں بلکہ اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا جائے۔ اس لیے نظم پڑھاتے وقت اس بات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ بچے نظم کی تازگی اور شگفتگی یعنی نظم کے جمالیاتی حسن کو سراہ سکیں، جمالیاتی قدروں کا احساس پیدا کر سکیں اور تفہیم کے ذریعے ادبی حسن شناسی کی صلاحیت پیدا کر سکیں۔

مڈل اور ثانوی منزل پر مقاصد کا تعین کرتے وقت لطف سخن اور ذوق ادب کو اہمیت دینی چاہیے اور ایسی نظموں کا انتخاب کرنا چاہیے، جو ادبی، لفظی اور معنوی خوبیوں کی حامل ہوں۔ علاوہ ازیں یہ مقصد بھی پیش نظر ہونا چاہیے کہ طلبا نظم کو سمجھیں اور شاعر کے جذبات سے متاثر ہوں۔ اس منزل پر طالب علم عنفوان شباب میں داخل ہوتے ہیں اور ان میں نئے نئے جذبات اور ولولے بیدار ہوتے ہیں چنانچہ ان پر شعر کا گہرا اثر پڑ سکتا ہے۔ اس منزل پر یہ مقصد بھی پیش نظر ہونا چاہیے کہ طلبا کے اندر ذوق ادب پیدا کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے سرمایۂ ادب کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کے توسط سے اپنی زبان اور تہذیب سے محبت کر سکیں۔

تمہید مقاصد کے تعین کے بعد تمہید کا عمل شروع ہوتا ہے۔ تمہید کا عمل اس لئے ہوتا ہے کہ طلبہ کے ذہنی عمل کو بیدار کیا جائے اور ان کے منتشر خیالات کو مجتمع کر کے موضوع کی جانب لایا جائے لیکن اس کی صورت کیا ہو؟ اس مسئلے پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض اساتذہ تجویز کرتے ہیں کہ اس منزل پر سوالات کے ذریعے نظم کا مفہوم اخذ کرایا جائے۔ بعض نظم کا خلاصہ یا لب لباب پیش کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، کبھی نظم کا پس منظر بیان کر کے یا نظم کے موضوع کا سہارا لے کر ایک سازگار ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یا شاعر کی سوانح حیات یا تصویر پیش کر کے نظم کو متعارف کرایا جاتا ہے۔ سوانحی طریقہ اپنانے کا رواج بہت عام ہے۔ اس قسم کی تمہید عام طور سے مفید نہیں

ثابت ہوتی۔ اس لیے کہ بچے جتنی نظم سے دلچسپی رکھتے ہیں اتنی شاعر سے نہیں، بعض لوگ تشریحی تمہید کا طریقہ اپناتے ہیں یعنی ابتدا میں مشکل الفاظ کے معنی تختۂ سیاہ پر لکھ دیتے ہیں تاکہ لطف اندوزی کے عمل میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اس قسم کی تمہیدیں عام طور پر نظم پڑھانے کے لیے نامناسب ہوتی ہیں۔

غرض نظم کو متعارف کرانے کا کوئی واحد طریقہ نہیں۔ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ نظم کو متعارف کرانے کے لیے کوئی واحد طریقۂ تدریس تلاش نہ کیا جائے، بلکہ یہ تصور کر لیا جائے کہ ہر نظم بذاتِ خود ایک منفرد طریقۂ تدریس کا مطالبہ کرتی ہے تاہم تمہید کی منزل پر موضوع کے لحاظ سے حوالہ دیا جا سکتا ہے کہ نظم تخیلی، بیانیہ، حکائی، قومی یا اخلاقی ہے، بلحاظ صنف غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، رباعی، جدید نظم وغیرہ میں سے کس کی نمائندگی کرتی ہے۔

اعلانِ سبق موثر تمہید کے بعد اعلان سبق کی منزل آتی ہے۔ اس منزل پر نظم کی اہمیت اور قابلِ غور امور کی جانب طلبا کو متوجہ کیا جا سکتا ہے۔

نمونے کی بلند خوانی نظم کی پیش کش سبق کی اہم منزل ہے۔ اس کا آغاز موثر بلند خوانی سے کیا جا سکتا ہے۔ بلند خوانی کے دوران استاد کو مصرعوں کی موزونیت آہنگ اور تاثر کا خیال رکھنا چاہیے۔ آواز کے زیر و بم اور لہجے کی تبدیلی سے بلند خوانی کو دلاویز بنایا جا سکتا ہے۔ نظم کسی قدر اطمینان اور ٹھہرے ہوئے انداز سے پڑھ کر سنانی چاہیے تاکہ نظم خوانی کا ایک خوشگوار ماحول پیدا ہو جائے اور طلبا پر کم و بیش وہ کیفیت طاری ہو جائے جو نظم میں پیش کی گئی ہے۔ لطف اندوزی کے عمل میں یہ فضا بہت سازگار ہوتی ہے۔

بعض اساتذہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بلند خوانی کے دوران طلبا اپنی کتابیں الٹ دیں تاکہ وہ نظم کے تاثر سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکیں اور اس جذبے اور تجربے کو محسوس کر سکیں، جس کو شاعر نے پیش کش گیا ہے۔ ذاتی تجربے اور مشقی اسباق کے مشاہدے کی بنیاد پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ طریقہ بہت سود مند نہیں ثابت ہوتا۔ طلبا کے سامنے اگر کتابیں کھلی ہوں اور بلند خوانی کے ساتھ ساتھ وہ بھی اشعار پر نظر رکھیں، تو زیادہ بہتر ہو۔ استاد کے ذریعے پہلی بلند خوانی کرتے وقت اعراب، اوقاف اور الفاظ کے درو بست پر توجہ مرکوز کر سکتے ہیں۔ بعض اساتذہ کا خیال ہے کہ نظم اگر طویل ہے تو پوری نظم سنانے کے بعد علیحدہ علیحدہ بند سنائے جا سکتے ہیں لیکن بعد میں پوری نظم سنانا ضروری ہوگا۔ ثانوی اور اعلیٰ منزل پر یہ مسئلہ زیادہ واضح شکل میں سامنے آتا ہے کیونکہ قصائد اور مثنویات کے طویل اقتباسات نصاب میں شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے پوری نظم پڑھ کر سنانا اس اعتبار سے مناسب نہیں کہ وقت کا

ایک بڑا حصہ اسی میں صرف ہو جائے گا۔ لہٰذا ایسی نظموں کو ٹکڑوں میں پڑھانا زیادہ مناسب ہوگا۔

اجمالی جائزہ نمونے کی بلند خوانی کے بعد نظم کا اجمالی جائزہ لیا جاتا ہے۔ یہ منزل اس اعتبار سے اہم ہے کہ لطف اندوزی اور استحسان شعر کا آغاز اسی منزل پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر چند باتیں خصوصیت کے ساتھ ذہن نشین کرنی چاہئیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ نظم کے مرکزی خیال کے پس منظر میں نظم کا اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہیے۔ اس کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ زیر درس نظم سے متعلق طلبا سے سوال و جواب کیے جائیں اور ان مناظر، کیفیات اور واقعات کو اخذ کرایا جائے جو نظم میں پیش کیے گئے ہیں۔ اس عمل میں طلبا کا پورا پورا اشتراک ہونا چاہیے۔

تفصیلی جائزہ اس کے بعد تفصیلی جائزے کی منزل آتی ہے یعنی اجمالی خاکے میں کون کون سے رنگ بھرے گئے ہیں اور مناظر، کیفیات اور جذبات کو کس کس طرح نظم کے پیکر میں ڈھالا گیا ہے۔ یہ منزل دشوار بھی ہے اور نازک بھی۔ دشوار اس اعتبار سے کہ الفاظ کے پیکر میں ایک جہانِ معنی پنہاں ہے اور نازک اس لحاظ سے کہ تفہیم اور استحسان میں ایک نازک رشتہ ہے۔ لہٰذا تفہیم معنی کے دوران تشبیہات، استعارات اور امیجری اخذ کرانی چاہیے۔ الفاظ کی موزونیت کا ذکر اس انداز سے کرنا چاہیے کہ متضاد، مترادف الفاظ، تلمیحات اور تمثیلات وغیرہ کی جانب بھرپور اشارہ ہو۔ اس عمل میں دلچسپی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب طلبا کا اشتراک حاصل کیا جائے۔ استاد اور شاگرد کے درمیان رابطہ سوال و جواب یا بات چیت کے ذریعے قایم ہوتا ہے۔ طلبا کے ادھورے، نامکمل اور ناتراشیدہ جوابات کو اس طرح اپنے الفاظ میں بیان کرنا چاہیے کہ ضروری پہلوؤں کی جانب اشارہ بھی ہو جائے اور طالب علم میں ایک تشنگی اور تجسس کی کیفیت باقی رہ جائے تاکہ وہ خود جہانِ معنی کے رنگ و بو تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

اس منزل پر ایک مسئلہ بے حد الجھا ہوا ہے، وہ یہ کہ الفاظ کے معنی بتائے جائیں یا نہیں۔ بعض قابل قدر اساتذہ کا خیال ہے کہ زبان کے ان افادی پہلوؤں پر زور دینا مناسب نہیں جن کا تعلق الفاظ کے معنی، ہیئت اور بناوٹ سے ہے یعنی الفاظ کو متن سے جدا کر کے نہ صرف الفاظ کے ساتھ ستم ہے، بلکہ متن کے ساتھ بھی انصاف نہیں۔ ایک علیحدہ لفظ کے کوئی مخصوص معنی نہیں ہوتے۔ لفظ معنی کے پیکر میں اس وقت ڈھلتا ہے، جب جملے کے سیاق و سباق میں استعمال کیا جائے۔ یہ بھی بحث طلب مسئلہ ہے کہ الفاظ کے ادق یا سہل ہونے سے لطف اندوزی پر کیا اثر پڑتا ہے اور شعر کی تفہیم سے اس کا کس حد تک تعلق ہے۔ دراصل الفاظ، تراکیب، رموز و علائم محض الفاظ نہیں ہیں۔ ان کے

پردے میں تصورات کی ایک وسیع اور پُراسرار دُنیا آباد ہے۔ لہٰذا الفاظ کے معنی بتا دینے سے ان تصورات تک رسائی ممکن نہیں۔ لیکن بعض صورتوں میں الفاظ کے معنی بتانا ناگزیر ہے۔ مثلاً سودا اور ذوق کے قصائد پڑھاتے وقت الفاظ کے معنی بتائے بغیر تفہیم و تحسین تقریباً ناممکن ہے۔ البتہ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ ایسی نظموں کو داخلِ نصاب نہ کیا جائے جو طالب علموں کے معیار سے بلند ہوں، لیکن استاد کا اس پر کوئی اختیار نہیں۔ لہٰذا اس کے سوا کچھ اور ممکن نہیں کہ الفاظ کے معنی بتلائے جائیں، لیکن اس اہتمام سے نہیں جس طرح نثر میں معنی بتائے جاتے ہیں۔ نثر کی تدریس کے مقاصد میں طلبا کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرانا ایک اہم مقصد ہوتا ہے۔ لیکن نظم کی تدریس کے مقاصد سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ الفاظ کے معنی سمجھنے کو حصولِ مقصد یعنی لطف اندوزی کا ایک ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظی اور لسانی دشواریوں کو براہِ راست مقصد نہ تصور کیا جائے، بلکہ ایک ثانوی یا ضمنی حیثیت سے اس کا ذکر کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ڈر ہے کہ نظم کے مرکزی خیال سے توجہ ہٹ جائے گی اور لطف اندوزی کا عمل تشنہ رہ جائے گا۔

استحسانِ نظم نظم کا تفصیلی جائزہ لیتے وقت سوالات کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے کہ طلبا شعر کی صناعی، معنی آفرینی اور صوتی آہنگ کو سراہ سکیں اور انفرادی ذوق اور استعداد کے مطابق نظم سے حظ اٹھا سکیں۔ استحسانِ نظم اسی وقت ممکن ہے جب الفاظ کی موزونیت، آہنگ، صوت اور امیجری کو اجاگر کیا جائے اور نظم کی مجموعی فضا سے طلبا کو روشناس کرایا جائے۔ اس موقع پر اشعار کی تشریح بھی ضروری ہوتی ہے۔ تشریح کرتے وقت مرکزی خیال کے پیشِ نظر تخیل کی وضاحت کرنی چاہیے اور تشبیہات اور استعارات کی جانب طلبا کو متوجہ کرانا چاہیے۔

استحسانِ شعر کے عمل میں نظم کا تنقیدی جائزہ لینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ استاد کو چاہیے کہ اس موقع پر پوری نظم کو زیرِ بحث لائے۔ شاعرانہ کمالات کی جانب اشارہ کرے، مناظر سراپا اور کردار کی تصویر کشی کرے اور زبان و بیان کی خوبیوں کی طرف طلبا کو متوجہ کرلے۔

لطف اندوزی اور استحسانِ شعر کے عمل کو پُراثر بنانے کے لیے بچوں کی شخصیت اور انفرادیت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ہر بچہ ایک انوکھی شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت کی اپنی اساس ہوتی ہے، اس کی اپنی پسند ناپسند ہوتی ہے اور اس کے تجربات متنوع اور رجحانات مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر بچہ نظم کا تاثر انفرادی طور پر قبول کرتا ہے۔ استاد کا کام یہ ہے کہ اس تاثر کو حاصل کرنے میں مدد دے۔ نظم کا بخوبی جائزہ لینے اور اس کی فنی اور لسانی خصوصیات کی واضح کرنے

کے بعد اس بات کا پتہ لگانے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ شاگردوں پر نظم کا صحیح تاثر قائم ہوا یا نہیں اس کے لیے بھی سوال و جواب کا پیرایہ اختیار کیا جاتا ہے۔ صحیح تاثر کی جانچ کا آسان طریقہ یہ ہے کہ استاد اپنے شاگردوں سے یہ دریافت کرے کہ زیر مطالعہ نظم میں انھیں کون سا شعر سب سے زیادہ پسند آیا اور اس میں کون سی خوبی ہے۔ اگر طالب علم پسندیدگی کا سبب بیان کر سکیں تو بقیناً صحیح تاثر قائم ہو گیا اور استحسانِ شعر کی کیفیت بھی پیدا ہو گئی۔

اسلوبِ بیان نظم کے تفصیلی جائزے، تنقید اور تبصرے کی بنیاد پر استاد کو چاہیے کہ شاعر کے اسلوب بیان کو طلبا سے اخذ کرائے۔ مواد، ہیئت، بیان، مضمون اور طرز ادا کے ذکر کے ساتھ ساتھ رموز و علائم کی جانب بھی اشارہ کرنا چاہیے۔ یہ سب کام اتنے لطیف پیرائے میں ہونے چاہئیں کہ طلبا دادِ سخن دے سکیں اور ذوق ادب پیدا کر سکیں، اس موقع پر استاد اگر موازنے کی کوئی نظم پیش کر سکے اور پھر دونوں کا موازنہ کرائے تو اس کام میں مزید لطف پیدا ہو سکتا ہے۔

انفرادی بلند خوانی آخر میں انفرادی بلند خوانی کی منزل آتی ہے اس موقع پر طالب علموں سے انفرادی طور پر نظم پڑھوائی جاتی ہے اور اس بات کی تاکید کی جاتی ہے کہ طلبا نظم کو لطف کے ساتھ پڑھیں اور پڑھتے وقت مصرعوں کی موزونیت، آہنگ اور زیر و بم کا خیال رکھیں۔ موثر پیرائے میں پڑھنے سے طلبا خود بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور سننے والے کے جذبات کو متاثر کر سکتے ہیں۔

غرض نظم کی تدریس کے لیے کوئی واحد تجویز نہیں پیش کی جا سکتی اور نہ کسی ایک طریقۂ تدریس کی سفارش کی جا سکتی ہے۔ اس کی کامیابی کا بہت کچھ انحصار استاد کے انفرادی ذوق پر ہے۔ وہ استاد جو اپنے مذاق اور طالب علموں کے ذہن کو سمجھتے ہیں اپنا انفرادی طریقۂ تدریس دریافت کر لیتے ہیں۔

5

تدریسِ غزل

عام ملحوظات یوں تو غزل کی تدریس بھی تدریسِ نظم کے ہی تحت آتی ہے، لیکن غزل کی ہیئت اور اسلوب کی انفرادی حیثیت کی وجہ سے اس کو علیحدہ موضوع بحث بنایا گیا ہے اور ہر چند کہ تدریسِ غزل، تدریسِ نظم کا ہی ایک حصہ ہے، یہ صنف ایک منفرد طریقۂ تدریس کی متقاضی ہے۔

غزل کے خدوخال سے عام طور پر لوگ مانوس ہیں۔ مشاعرے، فلم اور ریڈیو نے اس کی ترویج و اشاعت نے ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔ چنانچہ دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں یہ زیادہ مقبول صنف ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ مقبول ترین صنف ہے، تو بے جا نہ ہوگا۔ غزل کو جس قدر قبول عام حاصل ہو چکا ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ غزل پر متعدد بار فرد جرم عائد ہوئی۔ اس کو قابل گردن زدنی قرار دیا گیا۔ اس کی تنگ دامانی کا شکوہ کیا گیا اور بیان کے لیے کچھ اور وسعت کا مطالبہ کیا گیا۔ لیکن ان سب کے باوجود غزل کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا اور اپنی رمزیت، غنائیت اور شگفتہ بیانی کی وجہ سے یہ آج بھی تروتازہ ہے اور دیگر اصناف شعر کے شانہ بہ شانہ ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ برسہا برس تک غزل انحطاط پذیر معتقدات اور تصورات کی عکاسی کرتی رہی اور بنیادی سرشت کے اعتبار سے رومانی، فراری اور انفرادی حیثیت کی حامل رہی۔ اس لیے حالی نے غزل کو خصوصیت کے ساتھ نشانۂ ملامت بنایا اور نئی شاعری کی داغ بیل ڈالی۔ چنانچہ حالی کی کوششوں سے دیگر اصناف سخن کے ساتھ ساتھ غزل کو بھی نئی زندگی، توانائی اور حرارت ملی اور ادب میں ترقی پسندی کا رجحان فروغ پانے لگا، جس کی وجہ سے غزل کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوگئی اور اس کے ذریعے اجتماعی شعور کی عکاسی ہونے لگی۔ چنانچہ اردو غزل عہد حاضر میں نہ صرف سماجی شعور کی ترجمان ہے بلکہ روح عصر سے بھی پوری ہم آہنگ ہے۔

غزل کی تدریس سے متعلق بعض متضاد تصوّرات کار فرما ہیں۔ بعض ماہرینِ تعلیم کا خیال ہے کہ ثانوی مدرسہ کے طلبا کی ذہنی و جذباتی ساخت کے پیشِ نظر اس منزل پر غزل کی تعلیم مستحسن نہیں قرار دی جا سکتی۔ یہ دلیل اس بنیاد پر دی جاتی ہے کہ عام طور پر غزل میں رومان، محبت اور جنسی ترغیبات کے راگ الاپے جاتے ہیں۔ اس لیے اس عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے موزوں نہیں۔

اس کے علاوہ بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ اگر ہمیں اردو زبان کو فروغ دینا ہے اور اس کو اپنی تہذیب سے ہم آہنگ کرنا ہے، تو غزل کا سہارا لینا ناگزیر ہے، کیونکہ اردو زبان کی سرشت میں غزل شامل ہے لہٰذا اگر ہم نے اس کو نظر انداز کر دیا تو اردو کی ترویج کا کام موثر طور پر نہیں انجام پا سکے گا اور ہم نہ صرف اپنی صحت مند اقدار سے خود محروم ہو جائیں گے بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی محروم کر دیں گے۔

غرض اخلاقی تہذیبی اور ادبی نقطۂ نظر سے مدرسے کی منزل پر غزل کی تعلیم سے متعلق مختلف قسم کے خیالات پیش کیے گئے ہیں۔ تعلیمی نقطۂ نظر سے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی جماعت تک غزلوں کو داخلِ نصاب نہ کیا جائے اور ساتویں جماعت سے اس کی تعلیم کا آغاز ہو۔

غزل کی تدریس نظم کی تدریس کے مقابلے میں زیادہ مشکل ہے۔ اس عمل میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ استاد غزل کی ساخت، اسلوب اور عہد بہ عہد ترقی سے واقف ہو، اُسے ہر دور کی نمائندہ غزلوں کا شعور ہو اور وہ غزل کا ایک رچا ہوا مذاق رکھتا ہو۔ اسی صورت میں وہ اپنے شاگردوں کو غزل سے لطف اندوز کرا سکتا ہے۔

شاگردوں کے لیے بھی اس اعتبار سے یہ مشکل صنف ہے کہ غزلوں میں عام طور سے کوئی ایک مرکزی خیال نہیں ہوتا۔ پھر یہ کہ غزل کا اسلوب علامتی اور داخلی ہوتا ہے۔ اس لیے غزل کی تفہیم و تحسین میں طلبا کو دشواری محسوس ہوتی ہے۔ معیار کی پستی جس کا ذکر گزشتہ باب میں ہو چکا ہے خصوصیت کے ساتھ غزل کی تدریس میں دشواری پیدا کرتی ہے اور اکثر اساتذہ کو اسی بے بسی پر رونا آتا ہے کہ شعر سے لطف اندوز ہونا تو درکنار شاگرد، شعر کو موزوں کر کے پڑھ بھی نہیں سکتے۔

نظم کے اسباق کی طرح غزل کے سبق کو بھی اچھی طرح تیار کر لینا چاہیے۔ بغیر تیاری کے اگر سبق پڑھایا گیا، تو لائق سے لائق استاد کو بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سبق کی تیاری میں انتخاب متن، تعینِ مقاصد اور طریقۂ تدریس سے متعلق تمام امور پر غور کرنا شامل ہے۔ لیکن غزل کی تدریس میں مضمون کی تیاری مخصوصیت کے ساتھ اہمیت رکھتی ہے۔ استاد کو اپنے محدود علم پر اکتفا

نہیں کرنا چاہیے، بلکہ وسیع مطالعے کے ذریعے اپنے علم کو تازہ کرتے رہنا چاہیے۔ اکثر غزلیں بظاہر بہت سادہ نظر آتی ہیں، لیکن معنی و مطلب کے لحاظ سے ادق اور مشکل ہوتی ہیں۔ اس لیے ایسی غزلوں کو پڑھانے کے لیے خصوصیت کے ساتھ تیاری کرنی چاہیے۔

مقاصد سبق کی کامیابی و ناکامیابی کا بہت کچھ انحصار تدریسی مقاصد کے تعین پر ہے۔ اگر استاد نے ذہن کی صفائی کے ساتھ مقاصد پر غور نہیں کیا ہے، تو پڑھانے کا عمل مشکل ہو جائے گا۔ لیکن اگر مقاصد کا تعین واضح طور پر کر لیا گیا ہے تو تدریسی عمل نسبتاً سہل ہو جائے گا۔ پھر استاد خود اعتمادی کے ساتھ سبق کا آغاز کر سکتا ہے لہٰذا مقاصد طے کرتے وقت ان تمام گوشوں پر غور کر لینا چاہیے جن سے سبق کے نمایاں پہلوؤں کو اُجاگر کیا جا سکے۔

تمہید جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، تمہید کا مقصد طلبا میں تحریک ذہنی پیدا کرنا ہے اور اس کے ذریعے اس سبق کو متعارف کرانا ہے، جو پڑھانے کے لیے تجویز کیا گیا ہے۔ تمہید کی بنیاد عام طور سے سابقہ معلومات پر ہوتی ہے تاکہ آموزشی عمل میں تسلسل اور ربط قائم رہے۔ لیکن غزل کے سبق میں عام طور پر سابقہ معلومات کی بنیاد پر تمہید اٹھانا ممکن نہیں ہوتا۔ البتہ یہ ضرور فائدہ ہوتا ہے کہ استاد کو سبق کا آغاز کرنے کے لیے ایک مضبوط زمین مل جاتی ہے۔

تمہیدی گفتگو کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ غزل کے موضوعات اور شعراء کے حالاتِ زندگی کو موضوعِ بحث بنایا جا سکتا ہے لیکن اس طریقے میں عام طور سے یہ دشواری پیش آتی ہے کہ ان دونوں پہلوؤں سے طلبا کو بہت کم دلچسپی ہوتی ہے اور درجے کے اندر ایک بے کیفی سی طاری رہتی ہے۔ بی۔ ایڈ کے زیرِ تربیت اساتذہ مشقی اسباق کے دوران اکثر اس دشواری سے دوچار ہوتے ہیں اور موثر تمہید کے لیے سرگرداں نظر آتے ہیں۔ اس جستجو میں وہ کہیں سے کہیں بھٹک جاتے ہیں۔

تمہید کی منزل پر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں غزل کے اسلوب کو گفتگو کا موضوع بنایا جائے یعنی غزل کس اعتبار سے نظم سے مختلف ہے، یا غزل کے اجزائے ترکیبی کا ذکر کیا جائے یا غزل کی اشاریت اور رمزیت کو تمہیدی گفتگو کا وسیلہ بنایا جائے۔

عام طور پر غزل میں کوئی ایک مرکزی خیال نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی تصوراتی وحدت ملتی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض غزلوں کے اشعار میں بے ربطی نظر آئے لیکن بباطن ان میں ربط اور تسلسل پایا جائے۔ اگر غزل کی مجموعی کیفیت کو ذہن نشین کر لیا جائے تو بنیادی وحدت بھی تلاش کی جا سکتی ہے۔ غزلوں کے انتخاب میں کاوش کی جائے تو ایسی غزلیں مل سکتی ہیں، جن میں ربط، تسلسل اور وحدت ملتی ہو۔

لیکن ایسی غزلیں بہت کم داخلِ نصاب ہوتی ہیں۔

تمہیدی سوالات ایسے ہونے چاہئیں، جن کے ذریعے طلبا کے ذہن کی سبق تک رسائی ہوسکے لیکن اگر سابقہ معلومات کی بنیاد پر تمہید نہیں اٹھائی گئی ہے، تو پھر سوالات کی ضرورت نہیں، استاد کے ذریعے تمہیدی گفتگو کافی ہے۔

اعلانِ سبق موثر تمہید کا نقطۂ عروج اعلان سبق کی منزل ہوتی ہے، یعنی اس منزل کے اختتام پر اپنے شاگردوں پر استاد یہ واضح کر دیتا ہے کہ انھیں کون سی غزل پڑھنی ہے اور اس غزل میں کون کون سے ایسے پہلو ہیں جن پر خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی ہے۔ اگر طالب علموں کے سامنے یہ بات واضح کر دی جائے تو پھر غزل کی تفہیم و تحسین میں بڑی سہولیت پیدا ہوسکتی ہے۔

نمونے کی بلند خوانی تمہید کے عمل کو بخوبی انجام دینے کے بعد سبق پیش کرنے کی منزل آتی ہے۔ اس منزل پر استاد غزل پڑھ کر سناتا ہے۔ یہ ایک قسم کی تعارفی بلند خوانی ہوتی ہے جس میں خوش خوانی کے تمام اوصاف ہوتے ہیں۔ استاد بلند خوانی کرتے وقت صحتِ زبان، لب و لہجے اور مصرعوں کی موزونیت کا خاص طور سے خیال رکھتا ہے۔ استاد کے ذریعے بلند خوانی جس حد تک عمدہ ہوگی اسی قدر شاگردوں کو تفہیم و تحسین میں سہولت ہوگی۔ شعر اگر سلیقے سے پڑھا جائے اور صوتی آہنگ کو ملحوظ رکھا جائے، تو مفہوم بہتر طور سے ذہن نشین ہوجاتا ہے اور مفہوم کے وسیلے سے جمالیاتی قدر شناسی کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا تدریسِ غزل میں نمونے کی بلند خوانی کی خصوصی اہمیت ہے۔

جائزہ نظم کی تدریس کے سلسلے میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ اجمالی جائزے سے بحیثیت مجموعی نظم کی جانب شاگردوں کو متوجہ کرانا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ نظم کے ماحول سے بخوبی روشناس ہوجائیں اور نظم کی ایک مکمل تصویر ان کے سامنے آجائے۔ لہٰذا غزل میں اگر ربط، تسلسل اور وحدت موجود ہے، تو استاد کو اجمالی جائزے میں یہاں بھی وہی طریقۂ کار اختیار کرنا چاہیے جو نظم کے سلسلے میں اپنایا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر غزل کا ہر شعر بذاتِ خود ایک مکمل اکائی ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ غزل کا ایک شعر بھی ہوتا ہے یعنی کل بھی ہوتا ہے اور کل کا جز بھی رہتا ہے۔ لیکن غزلوں میں عام طور سے مضامین کا تنوع ملتا ہے۔ اس لیے پوری غزل کسی ایک مرکزی خیال کی حامل نہیں ہوتی اس صورت میں اجمالی جائزے کا کام کسی قدر دشوار ہوجاتا ہے۔ لہٰذا استاد

چاہیے کہ وہ غزل کے بجائے شعر کو اکائی تصور کرے اور ہر شعر کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لے۔ یہ جائزہ اجمالی بھی ہوگا اور تفصیلی بھی۔ یعنی شعر میں جو مضمون باندھا گیا ہے' اس سے متعلق طلبا سے بات چیت کرنا یا سوال و جواب کرنا اجمالی جائزے کا عمل ہوگا اور جن جذبات' احساسات اور تجربات کو پیش کیا گیا ہے ان سے متعلق تفصیل کے ساتھ طلبا سے اظہار خیال کرانا تفصیلی جائزے کا کام ہوگا۔ اس منزل پر شعر کی تشریح' توضیح اور تفہیم کے دوران شعر کے امتیازی وصف کو نمایاں کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اس طرح شاگردوں کے شوق کو ابھارا جائے گا۔

استحسانِ غزل غزل میں چونکہ اسلوب بیان رمزیہ اور علامتی ہوتا ہے' اس لیے استحسانِ شعر نظم کے مقابلے میں کسی قدر دشوار عمل ہے اور استاد سے زیادہ بصارت اور بصیرت کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن اس کی تدریس میں عام طور پر روایتی طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک روایت شعر کے نثر کرانے کی ہے۔ استاد ہر مصرعے کی نثر کراتا ہے اور پھر مطلب سمجھاتا ہے۔ حالانکہ مصرعے کی نثر کرانا محض تضیع اوقات ہے بلکہ یہ لطف اندوزی کے عمل میں مانع بھی ہے۔ اسی طرح شعر پڑھاتے وقت الفاظ کے معنی پورے اہتمام سے بتائے جاتے ہیں یعنی شاگردوں سے معنی اخذ کرانا' الفاظ کو جملوں میں استعمال کرانا' الفاظ کو تختۂ سیاہ پر لکھنا اور شاگردوں سے نوٹ کرانا وغیرہ تمام کام نہایت انہماک سے انجام دیے جاتے ہیں۔ ان کے باعث نہ تو شعر خوانی کا خوشگوار ماحول پیدا ہو پاتا ہے اور نہ ہی ذوقِ سلیم کی تربیت ہو پاتی ہے۔

دراصل الفاظ کے ادق یا سہل ہونے سے لطف اندوزی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ البتہ تفہیم میں دشواری ہو سکتی ہے۔ یعنی بعض صورتوں میں الفاظ کے معنی دریافت کیے بغیر شعر کی تفہیم میں نہیں ہو سکتی۔ ایسی صورت میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ادق الفاظ' تراکیب اور تلازموں کے بارے میں اس طرح بات چیت کی جائے یا سوال و جواب کیا جائے کہ معنی خود بخود واضح ہو جائیں اور الفاظ کی تشریح اور صراحت توضیح مطالب کا ایک جزو معلوم ہو۔ اس طرح تلمیحات' تشبیہات اور استعارات سے متعلق بھی شاگردوں سے سوالات پوچھے جائیں اور جوابات حاصل کرنے کے دوران اپنے الفاظ میں شعری محاسن اُجاگر کر دیے جائیں۔

دراصل شعر آسان یا مشکل اپنے تصوراتی اور فکری مواد کی وجہ سے ہوتا ہے الفاظ کے ادق یا سہل ہونے سے نہیں۔ درج ذیل مثال سے اس کی وضاحت بخوبی ہو جاتی ہے۔

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے (میرؔ)

اس شعر کو پڑھاتے وقت زیادہ سے زیادہ ایک لفظ کے معنی بتانے کی ضرورت پیش کرسکتی ہے۔ وہ ہے 'ٹک' ہے، لیکن کیا اس لفظ کے معنی بتانے سے شعر کی تفہیم آسان ہو جائے گی اور اس کا استحسان ممکن ہو جائے گا؟ یہ دونوں باتیں مشکل ہیں اس لیے کہ اس شعر میں جو جہانِ معنی پوشیدہ ہے اس کے استحسان کے لیے استاد کو بہت جتن کرنے پڑیں گے۔ ورنہ شعر کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔

انتخاب کلام میر کے مقدمے میں ڈاکٹر عبدالحق نے اس شعر سے متعلق ان الفاظ میں اظہارِ خیال کیا ہے۔

"یہ شعر کس قدر سادہ ہے۔ اس سے زیادہ آسان، عام اور معمولی الفاظ اور کیا ہوں گے! لیکن انداز بیان درد سے لبریز ہے اور لفظ لفظ سے حسرت و یاس ٹپکتی ہے۔ اردو کیا مشکل سے کسی زبان میں ایسے پائے کا اور ایسا درد انگیز شعر ملے گا۔ ایک دوسری بات اس شعر میں قابلِ غور یہ ہے کہ جو شخص دوسروں کو غل نہ کرنے اور آہستہ بولنے کی ہدایت کر رہا ہے، وہ بھی ہمارے پاس بیٹھا ہے اور اس پر لازم ہے کہ بات آہستہ سے کہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ لفظ ایسے چھوٹے، سلیس اور دھیمے ہوں کہ دھیمی سے دھیمی آواز میں ادا ہو سکیں، اب اس شعر کو دیکھیے کہ لفظ تو کیا ایک حرف بھی ایسا نہیں جو کرخت یا ہونٹوں کے ذرا سے اشارے سے بھی نہ ادا ہو سکتا ہو۔"

تدریسِ غزل میں تفہیم و تحسین کی منزل بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیے تفصیل جائزے کے دوران غزل کے ادبی اور جمالیاتی پہلوؤں کو بھی اُجاگر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس منزل پر استاد اور شاگرد کے درمیان جو رابطہ قائم ہوتا ہے، وہ لطف اندوزی کا ذریعہ بنتا ہے اور اس کی بنیاد پر شاگرد میں ایک ایسی نظر پیدا ہو سکتی ہے جس سے وہ اچھے اور برے شعر میں تمیز کر سکیں، کھرے کھوٹے کو پرکھ سکیں اور ادبی قدروں کا عرفان حاصل کر سکیں۔ استحسانِ شعر کی یہی منزل ہوتی ہے۔ لہٰذا استاد سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ شعر کی ظاہری اور باطنی خوبیوں سے طلبا کو لطف اندوز کرائے گا اور اُن میں اس بات کا شعور پیدا کرائے گا کہ وہ غزل کی رمزیت اور اشاریت سے حظ اٹھا سکیں۔ گل و بلبل، شمع و پروانہ، مرغ و قفس، طور و کلیم اور اس قسم کی دیگر تراکیب کے ساتھ ان سے متعلق تصورات کی بھی تحسین کر سکیں۔

اسلوبِ بیان تدریسِ غزل میں استحسانِ شعر کا عمل اس وقت موثر سمجھا جاتا ہے جب غزل کی لسانی اور ادبی خوبیوں کی بنیاد پر طلبا بذاتِ خود شاعر کا اسلوب بیان اخذ کر سکیں۔ عام طور پر درسی کتابوں میں شاعر کے اسلوبِ بیان یا طرزِ بیان کا ذکر بہت میکانکی طریقے سے

کیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ طرزِ بیان کے ذکر کے ساتھ جو غزل پیش کی جاتی ہے، وہ اس مخصوص طرزِ بیان سے عاری ہوتی ہے۔ اس لیے شاگردوں میں اس بات کا ذوق پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ غزل کی بنیاد پر بذاتِ خود اسلوبِ بیان اخذ کر سکیں۔ یہ عمل بھی سوال و جواب پر مبنی ہوگا۔ لہٰذا سوالات کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے جس سے اسلوبِ بیان اخذ کرانے میں سہولت ہو۔

اگر غزل میں کوئی وحدتِ خیال، ربط اور تسلسل قائم ہو، تو ایسی صورت میں اسی مضمون سے مشابہ کوئی اور غزل منتخب کی جا سکتی ہے۔ موازنے کی غزل پیش کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ استاد کسی چارٹ یا رول اپ بورڈ پر غزل لکھ کر لائے اور کمرۂ جماعت میں آویزاں کر دے۔ پہلے خود باآوازِ بلند غزل پڑھ کر سُنائے۔ پھر دو ایک طالب علموں سے پڑھوائے اور سوالات کے ذریعے مماثل پہلوؤں کو اخذ کرائے۔ اس طرح شاگردوں میں نہ صرف شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوگا، بلکہ ان کے تنقیدی شعور کی بھی نشوونما ہو سکتی ہے۔

انفرادی بلند خوانی غزل کی تدریس میں، نظم کی طرح تدریس کی طرح آخری منزل انفرادی بلند خوانی کی ہے، اس منزل پر طلبا سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ لطف کے ساتھ غزل کے اشعار پڑھ کر سنائیں اور شعر پڑھتے وقت تلفظ، لب و لہجہ اور آہنگ کا خاص طور سے خیال رکھیں۔

6

تدریسِ انشا

عام ملحوظات نظم و نثر کی تدریس کے بعد ثانوی منزل پر انشا کی تدریس کی بڑی اہمیت ہے، کیونکہ اس کے ذریعے شاگردوں کو اپنی تخلیقی قوتوں کے اظہار کا زیادہ سے زیادہ موقع ملتا ہے، ان کے خیالات میں صفائی، تسلسل اور ربط پیدا ہوتا ہے اور ان میں سوچنے، سمجھنے اور اشیاء و واقعات سے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح ان کی شخصیت نشوونما پاتی ہے اور ان کی انفرادیت کی جلا ہوتی ہے۔

تعلیم کے عمل میں تسلسل قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ثانوی تعلیم کا رشتہ ابتدائی منزل کی تعلیم سے جوڑا جائے۔ ابتدائی تعلیم کے اختتام پر طالب علموں میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ آسان جملوں میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں، اپنے گرد و پیش کے لوگوں، پودوں، جانوروں اور مظاہرِ فطرت سے متعلق سیدھے سادے لفظوں میں اپنے خیالات کو بیان کر سکیں۔ کہانیاں سننے اور سنانے سے چونکہ بچوں کو فطری دلچسپی ہوتی ہے، اس لیے وہ سنی ہوئی کہانیوں کو اپنے الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں اور لکھ بھی سکتے ہیں۔ اس طرح وہ تقریری اور تحریری انشا کی بنیادی مہارتیں سیکھ چکے ہوتے ہیں۔ زبانی گفتگو کے ساتھ ساتھ ان میں تحریری انشا کی بھی ایسی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ نقل نویسی، املا نویسی، خط نویسی، درخواست نویسی اور عرضی نویسی پر قدرت حاصل کر سکیں۔ خط نویسی سے طلبا کو خاص طور سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو خط لکھنا ان کے لیے دلچسپ مشغلہ ہوتا ہے۔ خط میں چونکہ ذاتی عنصر ہوتا ہے، اس لیے خط نویسی میں ترغیب و تحریک لازمی طور پر پائی جاتی ہے۔ ابتدائی منزل کے اختتام پر طلبا بیانیہ مضمون لکھنے کی بھی صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں۔ عمر کے ساتھ ساتھ ان کے مشاہدات، تجربات اور تصورات میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے اور زبان کے استعمال پر انھیں قدرت حاصل ہوتی جاتی ہے۔

ثانوی منزل پر انشا کی تدریس کے تحت تقریروں و تحریروں کی ان تمام مہارتوں کی مشق جاری رہتی ہیں لیکن فرق یہ ہو جاتا ہے کہ تقریری انشا کے مقابلے میں تحریری انشا پر زیادہ زور دیا جانے لگتا ہے۔ اس منزل پر بڑی حد تک تحریری انشا کے لیے ماحول بھی سازگار ہوتا ہے یعنی طلبا کے ذخیرۂ الفاظ میں اچھا خاصا اضافہ ہوتا ہے اور انھیں اپنے خیالات و محسوسات کو ضبط تحریر میں لانے پر زیادہ قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔

ثانوی مدرسے کے استاد کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کیسے بہتر لکھنا سکھایا جائے یعنی طالب علم جس خیال کو پیش کرنا چاہے، اس کے لحاظ سے موزوں الفاظ کا انتخاب کر سکے، ان الفاظ کو سلیقے سے برت سکے اور الفاظ کی مدد سے خیال اور خیال کی مناسبت سے الفاظ کا تخلیقی استعمال کر سکے۔ اس کے لیے کوئی ایک طریقۂ تدریس مناسب نہیں ہوگا، بلکہ انشا کی مناسبت سے طریقۂ تدریس بھی اختیار کرنا ہوگا۔ اس بات کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ طریقۂ تدریس کوئی بھی ہو مشق اور ریاضت کے بغیر خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ جب تک متواتر لکھنے کی مشق نہ کرائی جائے اس وقت تک تحریر میں پختگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ موثر ڈھنگ سے لکھنا بڑی حد تک مہارت اور ریاضت کا معاملہ ہے۔ عمدہ تحریر کا فن سیکھنا موسیقی سیکھنے کے مترادف تصور کیا جاتا ہے جس میں مسلسل مشق اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔

عمر کے ساتھ ساتھ طلبا کی دلچسپیاں بدلتی جاتی ہیں۔ ان کے تجربات کی دنیا وسیع ہوتی جاتی ہے اور مطالعے کے زیادہ مواقع حاصل ہونے لگتے ہیں۔ لہٰذا ثانوی منزل پر طلبا کو نت نئے موضوعات اور گوناگوں تجربات سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس لیے اظہارِ خیال میں زیادہ جدت اور ندرت پیدا کی جا سکتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ طلبا کو مختلف مواقع کے اعتبار سے اظہار و ترسیل کا شعور پیدا کیا جائے تاکہ وہ اظہار و ترسیل پر قدرت حاصل کر سکیں۔ زبان کے گھنٹے کے علاوہ دوسرے مضامین کے گھنٹوں میں بھی اظہار اور ترسیل کی اکثر ضرورت پیش آتی ہے۔ سائنس یا جغرافیہ کے نوٹ لیتے وقت یا تاریخ کا خلاصہ تیار کرتے وقت اس بات کی پوری کوشش کی جاتی ہے کہ اہم حقائق اور واقعات نظر سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔ اسی طرح ضرورت اور موقع کے لحاظ سے خطوط اور درخواستیں بھی لکھنی پڑتی ہیں۔ یہاں بھی طالب علم کے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ اظہارِ مطلب کے لیے کیا نیا ڈھنگ ہو سکتا ہے۔ ان تمام موقعوں پر استاد کو شروع سے ہی اعلیٰ معیار کی توقع نہیں کرنی چاہیے۔ محض بیانیہ تحریر میں کسی قدر اعلیٰ معیار کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ بیانیہ تحریر میں بہ نسبت دیگر اصناف تحریر کے اظہار کی سہولت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ بیانیہ مضمون لکھواتے وقت استاد بجا طور پر اپنے طالب علموں سے توقع

کرسکتا ہے کہ وہ کسی واقعے کو ایسی واضح شکل میں صفائی کے ساتھ پیش کریں کہ پڑھنے والے کے سامنے اس واقعہ کی تصویر کھنچ جائے اور وہ نہ صرف اس کو پڑھ سکے بلکہ محسوس بھی کرسکے۔

خصوصی مسائل ثانوی منزل پر انشا کی موثر تعلیم کے سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ چند مسائل کا ذکر ضروری ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ وقت کا ہے یعنی ثانوی منزل پر انشا کی تدریس کے لیے کتنا وقت دیا جائے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ ہمارے مدرسوں میں انشا کے کام پر بہت کم وقت صرف کیا جاتا ہے۔ ان کی رائے کے مطابق زبان کے کام کا کم سے کم ایک تہائی وقت انشا کے کام پر صرف کرنا چاہیے۔

دوسرا مسئلہ نصاب کا ہے۔ نصاب میں انشا کے کام کی تفصیلات درج نہیں ہوتیں اور نہ ہی اس بات کا ذکر ہوتا ہے کہ دوران سال کتنا کام کرانا ضروری ہے۔ مزید یہ کہ امتحان کا بھی کسی قسم کا دباؤ نہیں ہوتا اس لیے کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے انشا کے کام کا بڑی حد تک انحصار استاد پر ہوتا ہے۔ استاد اپنی مرضی، تن آسانی اور سہولت کے پیش نظر اس خدمت کو انجام دیتا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ انشا کے گھنٹے میں ہی انشا کا کام کرایا جائے یا بعد میں۔ عام طور پر اساتذہ درجے کے اندر انشا کے موضوع پر محض زبانی اظہار خیال کرا دیتے ہیں اور شاگردوں سے کہتے ہیں کہ وہ گھر سے لکھ کر لائیں۔ روایتی اساتذہ اس سے بھی بے نیاز ہوتے ہیں۔ وہ زبانی اظہار خیال کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ کمرۂ جماعت میں داخل ہوتے ہیں اور حکم صادر فرما دیتے ہیں، 'کاپیاں نکالو، قلم سنبھالو اور مضمون لکھنا شروع کردو' 'ایمانداری' یا کسی ایسے ہی موضوع پر۔ وہ اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے کہ سرسری طور سے ہی موضوع کا ذکر چھیڑ کر طلبا کے ذہن کو ایک سمت دی جائے اور مضمون لکھنے کے لیے ان میں آمادگی پیدا کی جائے۔

گھر سے مضمون مکمل کروانے کا طریقہ اسی وقت مفید ثابت ہوسکتا ہے، جب کہ اصلاح اور درستی کا مناسب انتظام ہو۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ثانوی مدرسے کے اساتذہ کو ۳۲ سے لے کر ۴۰ پیریڈ فی ہفتہ پڑھانا پڑتا ہے۔ مدرسے کے اوقات میں انھیں خالی گھنٹے شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ اگر اتفاق سے خالی گھنٹہ میسر آبھی جائے تو وہ حاضری، فیس، پرچۂ امتحان کی تیاری اور کمرۂ جماعت کے باہر کے اشاغل کے لیے وقف ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا کی غلطیوں کی اصلاح کے لیے بہت کم موقع مل پاتا ہے۔ ایسی صورت میں مدرسے کے کام کو 'ہوم ورک' میں تبدیل کر دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہوسکتی ہے کہ جس روز انشا کا کام کرانا ہو دو پیریڈ ایک ساتھ لے لیے

جائیں۔ اگر ٹائم ٹیبل میں اُردو کے لیے ہفتے میں آٹھ یا نو پیریڈ دیے ہوئے ہیں تو دو پیریڈ ایک ساتھ لینے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ ان دو مسلسل گھنٹوں میں اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ مضمون مکمل ہو جائے اور غلطیوں کی اصلاح کے لیے بھی کچھ وقت مل جائے۔

چوتھا اہم مسئلہ یہ ہے کہ انشا کی تعلیم سے متعلق بعض غلط رجحانات کارفرما ہیں جو انشا کی تدریس و تعلیم کے لیے مضر ہیں۔ ایک رجحان کے تحت تو انشا کے کام کو درسی کتاب کی مشقوں تک محدود کر دیا جاتا ہے اور دوسرے رجحان کے پیشِ نظر انشا کے کام کو محض مضمون نگاری متصوّر کر لیا جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ انشا کے مشاغل کو مشقی انشا اور تخلیقی انشا میں تقسیم کر دیا جائے۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ انشا کے کام کو کیسے موثّر اور دلچسپ بنایا جائے۔ اس کے لیے بچوں کی نفسیات اور جدید تعلیمی نظریات کا مطالعہ ضروری ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں اس کام سے متعلق جو نت نئے تجربات ہوتے رہتے ہیں، اُن کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انشا کے کام کو دلچسپ اور موثّر بنانے کے لیے روایتی طریقۂ تدریس کو ترک کرنا ضروری ہے اور اس کے بجائے ایسا طریقۂ تدریس اپنانا ہوگا جس سے طالب علموں میں انشا پردازی کا شوق پیدا ہو۔ اس ضمن میں حسب ذیل اصولوں کو ذہن نشین کرنا مفید ثابت ہوگا۔

(۱) دلچسپی ہمارے مدارس میں عام طور پر انشا کی تدریس کا خشک اور بے روح طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ اس میں طلبا کی دلچسپی کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ طلبا کی دلچسپیاں عمر کے ساتھ بدلتی جاتی ہیں اور جوں جوں ان کی ذہنی نشوونما ہوتی جاتی ہیں ان کی دلچسپیوں کا مرکز بھی بدلتا جاتا ہے۔ انشا کے کام میں طلبا کی دلچسپی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ ان کے حقیقی تجربات کو موضوع بنایا جائے۔ لیکن اس موقع پر ایک اہم پہلو کو عام طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ طلبا کی عام دلچسپی اور کسی مخصوص کام سے متعلق دلچسپی میں فرق ہوتا ہے۔ اگر طلبا سے ان کی دلچسپی کے مطابق فہرست تیار کرائی جائے اور ان میں سے کسی ایک موضوع پر لکھوایا جائے، تو ضروری نہیں کہ اپنے پسندیدہ موضوعات میں سے کسی موضوع کو وہ مضمون نویسی کے لیے منتخب کریں۔ اس موضوع سے دلچسپی ہونے کے باوجود ہو سکتا ہے کہ کوئی طالب علم اس موضوع پر لکھنا پسند نہ کرے۔ مثال کے طور پر فلم یا کرکٹ دلچسپی کا موضوع ہو سکتا ہے، لیکن طالب علم فلم یا کرکٹ پر مضمون لکھنے کے بجائے فلم دیکھنا اور کرکٹ کھیلنا زیادہ پسند کرے گا۔ اسی طرح اور بھی مشاغل ہو سکتے ہیں، جن پر مضمون لکھنے سے زیادہ طالب علم کو عملی دلچسپی ہو سکتی ہے۔

(ب) اظہارِ خیال کی آزادی انشا کی تدریس کے لیے ایک خوشگوار ماحول پیدا کرنا ضروری ہے۔ انشا کے لیے خوشگوار ماحول اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے، جب طلبا آزادی کے ساتھ بغیر کسی جھجک کے اپنے محسوسات، خیالات اور جذبات کا اظہار کر سکیں۔ بچوں کا مشاہدہ بہت تیز ہوتا ہے۔ وہ ہر اس چیز پر اظہارِ خیال کرنا چاہتے ہیں، جو ان کے مشاہدے میں آتی ہے۔ لیکن اظہارِ خیال میں انھیں دشواری بھی محسوس ہوتی ہے۔ وہ یہ اندازہ نہیں کر پاتے کہ کسی خیال کو ظاہر کرنے یا کسی واقعے کو بیان کرنے کے لیے ترتیب، نظم اور تسلسل کیسے قایم کیا جائے اور وہ مخصوص مفہوم جو ان کے ذہن میں ہے کن الفاظ سے ادا ہو سکتا ہے۔ گویا الفاظ کے سہارے فکر اور فکر کے ذریعے اظہارِ خیال کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ گفتگو کرنا ایک سماجی عمل ہے اور سوچنا ایک انفرادی عمل ہے۔ سوچنا بھی دراصل ذہنی گفتگو ہے۔ لہٰذا سوچنے کا عمل جس قدر تیز ہوگا اسی قدر خیالات ذہن میں آئیں گے اور جس قدر لسانی سہولت پیدا ہوگی اسی قدر اظہارِ خیال بہتر ہوگا۔

زبانی اظہارِ خیال کے لیے سوالات کو ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ سوالات کے ذریعے ذہن بیدار ہوتا ہے اور خیال کی نشو و نما ہوتی ہے۔ لہٰذا استاد کو چاہیے کہ طلبا کی نفسیاتی کیفیت کے پیشِ نظر سوال و جواب کے پیرائے میں زیادہ سے زیادہ آزادانہ گفتگو کے مواقع فراہم کرے۔

(ج) تحریکِ ذہنی نظم و نثر کی تدریس کے لیے شاید تحریکِ ذہنی کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنی مضمون نویسی میں ہوتی ہے۔ یہ کام استاد اور شاگرد دونوں کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ دراصل دلچسپی سے ہی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ لیکن تحریکِ ذہنی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب دلچسپی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو قائم رکھنے کا بھی اہتمام کیا جائے۔ یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ دلچسپی پیدا ہوگئی، تو باقی کام اپنے آپ ہو جائیں گے۔ تحریکِ ذہنی پیدا کرنے کے لیے استاد کو کبھی مزیدار مکالمے سنانے پڑتے ہیں، کبھی کتاب سے عبارت کے نمونے اور کبھی طرح طرح کے ساز و سامان سے کمرے کو آراستہ کرنا پڑتا ہے۔

مقاصد ثانوی منزل پر انشا کی تدریس سے متعلق عام مباحث کے بعد مقاصد کا تعین کرنا ضروری ہے تاکہ ان مقاصد کے حصول کے لیے مناسب اور موزوں طریقۂ تدریس تجویز کیا جا سکے۔

ثانوی منزل پر انشا کی تدریس کے مقاصد حسبِ ذیل ہوں گے۔

۱۔ طلبا میں بول کر یا لکھ کر اظہارِ مافی الضمیر کی قابلیت پیدا کرانا۔

۲۔ اپنے محسوسات، تجربات اور جذبات کو صحت اور صفائی کے ساتھ تقریر و تحریر میں بیان کرنے کی

صلاحیت پیدا کرانا۔

3 ۔ مختلف موضوعات پر خیالات فراہم کرنے اور خیالات میں تسلسل اور ربط پیدا کرانے کی تربیت دینا۔

4 ۔ تقریر و تحریر میں زبان کے عملی استعمال سے طلبا کو واقف کرانا اور ان کی قوتِ متخیلہ کو فروغ دینا۔

5 ۔ تقریر و تحریر میں طلبا کی تخلیقی قوتوں کی نشوونما کرانا اور اظہارِ خیال میں قدرت اور جدت پیدا کرانا۔

6 ۔ طلبا میں انشا پردازی کی ایسی صلاحیت پیدا کرانا کہ وہ اپنا انفرادی اسلوب بیان وضع کر سکیں۔

تقریری انشا تحریری انشا کا بہت گہرا تعلق تقریری انشا سے ہوتا ہے۔ انگریزی کے ایک مشہور نقاد 'بیلارڈ' کا خیال کتنا درست ہے کہ قبل اس کے کہ بچہ کچھ لکھے اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ ہونا چاہیے اور قبل اس کے کہ اچھی طرح کہہ سکے اس کے پاس کوئی اہم اور بامعنی بات کہنے کے لیے ہونی چاہیے۔ لہٰذا زبان کے استاد کا فرض ہے کہ وہ طلبا کو بہتر اور شستہ بولنا سکھائے۔ مدرسے کے اندر بچے مختلف علاقوں سے آتے ہیں۔ ان کی بول چال کی زبان میں گھریلو اور پیشہ ورانہ الفاظ شامل ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو کھردری اور ناہموار ہوتی ہے۔ وہ برمحل اور چست جملے نہیں بول پاتے۔ لہٰذا ثانوی منزل پر تقریری انشا کی مہارت پیدا کرانے کے لیے حسب ذیل مشاغل تجویز کیے جا سکتے ہیں۔

1 ۔ مکالموں کی مشق

2 ۔ تقریری مقابلے

3 ۔ بیت بازی

4 ۔ روئداد پڑھ کر سنانا۔

5 ۔ نظم خوانی کا مقابلہ

6 ۔ محاوروں کا استعمال

7 ۔ مترادف اور متضاد الفاظ کی مشق

8 ۔ کسی منظر یا واقعے کا بے ساختہ بیان

9 ۔ ڈرامے کی اداکاری

تحریری انشاء

1 - املا

2 - خط۔ شکریے کا خط، ہمدردی کا خط، تعزیتی خط، کاروباری خط

3 - اطلاع - مدرسے کے مشاغل کی دوستوں اور سرپرستوں کو اطلاع۔

4 - فارم پُر کرانا۔ داخلے کا فارم، بس کے پاس کا فارم اور راشن کارڈ کا فارم، منی آرڈر فارم

5 - رپورٹ۔ جلسے جلوس کی رپورٹ، پروجیکٹ کی رپورٹ

6 - محاورے اور ضرب الامثال

7 - گرامر کا کام - جملوں کے نام اور اُن کی قسمیں، جملوں کا تجزیہ وغیرہ

8 - بیانیہ مضامین

9 - حکایتی مضامین

10 - توصیفی مضامین

11 - تخیلی مضامین

12 - تشریح نویسی اور تصریح نویسی

13 - اختصار نویسی

موضوع کا انتخاب انشا کی تدریس میں موضوع کا انتخاب بہت اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ دلچسپی کے ساتھ مضمون لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ موضوع دلچسپ ہو۔ انشا کے موضوع کا انتخاب اگر طلبا پر چھوڑ دیا جائے تو پھر وہ جو کچھ بھی لکھیں گے اس میں کچھ نہ کچھ جان ضرور ہوگی، اس لیے کہ اس میں ذاتی تجربے اور مشاہدے کا دخل ہوگا۔ لیکن اس کام میں استاد کی رہنمائی ضروری ہے۔ اگر استاد نے ایسے موضوع کے انتخاب میں طلبا کی مدد کی ہے جس پر اظہارِ خیال کے لیے طلبا بے قرار نظر آئیں، تو انشا کی تدریس موثر ثابت ہوگی۔ اگر عملی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو استاد کے لیے ہر وقت یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ موضوع کا انتخاب طلبا ہی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تاہم ماحول یا مطالعے سے ربط پیدا کر کے موضوع کے انتخاب میں طلبا کا اشتراک حاصل کیا جا سکتا ہے اور عنوان میں تھوڑی بہت تبدیلی کر کے موضوع کو اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ طلبا یہ سمجھیں کہ انتخاب ان ہی کا ہے۔ مثال کے طور پر عید کے فوراً بعد مدرسہ کھلے تو ماحول سے ربط دے کر 'عید' پر مضمون لکھوایا جا سکتا ہے۔ اس عنوان میں ذرا سی

تبدیلی یوں کی جاسکتی ہے: "ہم نے عید کیسے منائی؟" اسی طرح اگر طلبا نے مجازؔ کی نظم "رات اور ریل" ابھی حال میں پڑھی ہے تو اس کو بنیاد بنا کر "رات اور ریل" یا "ریل کے سفر" پر مضمون لکھوایا جاسکتا ہے۔ غرض گرد و پیش کی زندگی، مسائل یا مطالعے سے ربط دے کر موضوع کا انتخاب کرانے کے عمل میں طلبا کا فعّال اشتراک حاصل کیا جاسکتا ہے اور انشا کے موضوع سے دلچسپی پیدا کرائی جاسکتی ہے۔

زبانی اظہارِ خیال

اس بات کا بار بار ذکر کیا جاچکا ہے کہ زبانی اظہارِ خیال سے تحریری اظہارِ خیال کا بہت گہرا تعلق ہے اور یہ مقولہ یقیناً درست ہے کہ طالب علم کے پاس کچھ لکھنے سے قبل کہنے کے لیے بھی کچھ ہونا چاہیے۔ اس طرح اگر کوئی اہم اور بامعنی بات کہنے کے لیے ہے، تو اس کو طالب علم نہایت عمدگی کے ساتھ ضبط تحریر میں لاسکتا ہے۔ لہٰذا چاہے درسی کتاب کی مشقیں ہوں، چاہے خط نویسی یا مضمون نگاری، موضوع سے متعلق زبانی اظہارِ خیال کرانا ضروری ہے اگر طالب علم میں اس بات کی صلاحیت پیدا کر دی جائے کہ وہ روانی اور بے ساختگی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار زبانی طور پر کرسکے تو تحریر میں بھی اسی قدر روانی اور بے تکلفی کے ساتھ اظہارِ خیال کرسکتا ہے۔

زبان اور خیال کا چونکہ گہرا تعلق ہے، اس لیے ایک کی ترقی دوسرے کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کی تصدیق یوں کی جاسکتی ہے کہ کوئی واقعہ یا کوئی حادثہ طالب علم کے مشاہدے میں آیا۔ اس کے دل میں اس سے متعلق خیال پیدا ہونا لازمی ہے۔ اب اگر اس کو مناسب موقع فراہم کیا جائے، تو وہ آزادی کے ساتھ اس واقعے یا حادثے کو بیان کرسکتا ہے۔ یہ اظہارِ خیال اس کے اندر آئندہ بھی اظہار کا شوق پیدا کرے گا۔ اس کی بنیاد پر اس کی قوتِ متخیلہ کی نشوونما ہوگی۔ اس منزل پر پہنچ کر طالب علم کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوگی کہ خیالات کو ادا کرنے کے لیے مناسب اور موزوں الفاظ تلاش کیے جائیں۔ اس طرح خیال کی نئی راہیں نکلتی ہیں، خیال آرائی کی نشوونما ہوتی ہے اور تخیل میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ یہی کیفیت تحریری اظہارِ خیال کے دوران بھی طاری رہتی ہے۔ لہٰذا تقریری اظہار کے وقت اگر خیالات میں ترتیب، نظم اور تسلسل پیدا ہوجائے تو تحریری اظہارِ خیال میں بہت سہولت پیدا ہوجائے گی۔ لہٰذا تحریری کام سے پہلے موضوع پر زبانی اظہارِ خیال بہت ضروری ہے۔

مضمون کا خاکہ

مضمون کا خاکہ مرتب کرنے کی ترتیب اس لیے ضروری ہے کہ طلبا جس موضوع سے متعلق خیالات کا اظہار کرنا چاہیں، اس کو مناسب طریقے سے ترتیب دے سکیں، ورنہ تحریر بے ربط ہوگی۔ تحریر کا آغاز کہیں سے ہوگا اور اختتام کہیں ہوگا۔ اس لیے زبانی اظہارِ خیال کے توسط سے تحریری اظہارِ خیال میں ترتیب اور نظم پیدا کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مضمون سے متعلق خیالات کو

ایک پیراگراف میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔ لہٰذا خیالات کو مختلف ٹکڑوں میں اس طرح پیش کرنے کی ترتیب دینی چاہیے کہ ان میں تسلسل اور ربط قائم رہے اور مختلف خیالات ایک ہی کڑی میں پروئے ہوئے نظر آئیں۔ لہٰذا خاکہ مرتب کرتے وقت مضمون کی ذیلی سُرخیاں قایم کر لینی چاہییں اور ہر سُرخی سے متعلق چند جملوں میں اظہار خیال کرنا چاہیے۔ اس طرح پارہ بندی کی مشق ہو جاتی ہے۔

بعض اساتذہ ابتدائی درجات میں تو خاکے ترتیب دینے کے حق میں ہیں، لیکن ثانوی اور اعلیٰ ثانوی منزل پر اس طریقۂ کار کی تائید نہیں کرتے۔ اعتراض یہ ہے کہ اس طرح طالب علم کو پابند کر دیا جاتا ہے اور اس کو اس بات کے لیے مجبور کر دیا جاتا ہے کہ وہ اسی سانچے کے اندر اپنے خیالات کو محدود رکھے اور اس طرح اس کے تخلیقی عمل میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اعلیٰ ثانوی منزل پر یہ اعتراض درست ہو سکتا ہے لیکن مڈل اور ثانوی منزل پر خیالات میں نظم و تسلسل پیدا کرنے کے لیے خاکہ مرتب کرانا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ خاص طور سے بیانیہ مضمون لکھواتے وقت اس کی افادیت اور زیادہ نظر آتی ہے۔

مضمون کے اجزاء مضمون کی تفصیلات اور ترتیب، طلبا جس طرح چاہیں، نوٹ کر لیں۔ لیکن انھیں اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہیے کہ ہر مضمون کے تین اجزا ہوتے ہیں۔ یہ اجزا بظاہر علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں، لیکن ایک دوسرے سے مربوط بھی ہوتے ہیں۔

1 ۔ آغاز
2 ۔ نفسِ مضمون
3 ۔ اختتام

آغاز یہ منزلِ تمہید کی ہوتی ہے۔ مناسب تمہید کے لیے ضروری ہے کہ پیرِ موضوع تعلق رکھتی ہو۔ تمہید ایسی ہونی چاہیے جس میں دلچسپی کا عنصر موجود ہو۔ اس موقع پر غیر ضروری طوالت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ صرف ان پہلوؤں کو تمہید میں شامل کرنا چاہیے جن سے موضوع کی جانب رہنمائی ہوتی ہو۔

نفسِ مضمون یہ مضمون کا وہ حصہ ہے، جس میں عنوان سے متعلق تمام باتیں بیان کر دی گئی ہوں۔ مضمون کی نوعیت کے اعتبار سے نفسِ مضمون کے پیش کرنے کے طریقے میں فرق ہوگا۔ مثلاً مضمون اگر استدلالی ہے، تو اس موقع پر دعوی مع دلیل پیش کرنا چاہیے۔

اختتام یہ مضمون کا آخری حصہ ہوتا ہے، جس میں مضمون کا خلاصہ پیش کر دیا جاتا ہے۔

غلطیوں کی اصلاح اور مشق

تدریسِ انشا میں سب سے زیادہ اہم اور صبر آزما منزل اصلاح کی ہوتی ہے۔ اس منزل پر ہمارے اساتذہ عام طور پر پہلو تہی کرتے ہیں، اور اصلاح کے کام کو خاطر خواہ انجام نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بنیاد ہمیشہ کے لیے کمزور ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اصلاح کا کام مشکل اور محنت طلب کام ہے، خاص طور سے ایسی صورت میں جب کہ درجے میں طلبا کی تعداد زیادہ ہو، بچے پسماندہ ہوں اور تائم ٹیبل میں استاد کو خالی گھنٹے کم ملتے ہوں۔

غلطیوں کی اصلاح سے متعلق بعض ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ اصلاح کا کام پوری توجہ کا طالب ہے۔ لہٰذا ابتدا سے ہی مکمل اصلاح دینی چاہیے، کیونکہ طالب علم کو اگر یہ احساس ہو جائے کہ اس کے تحریری کام پر اصلاح نہیں ہوگی، تو ڈر ہے کہ وہ لاپرواہی کے ساتھ کام کرے گا۔ لہٰذا اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ شروع سے ہی صحیح لکھنے پر زور دیا جائے تاکہ طالب علم اپنی غلطیوں سے آشنا ہو جائے اور تحریر سے متعلق غلط عادتوں کی داغ بیل نہ پڑنے پائے۔ بعض کا خیال ہے کہ اصلاح کا کام تضیع اوقات ہے۔ کم سے کم مکمل اصلاح کا طریقہ بالکل ہی غیر مناسب اور ناموزوں ہے، کیونکہ طالب علم زبان کی غلطیوں کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور بے ساختہ اظہار خیال اور تخلیقی انشا میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض تجربہ کار اساتذہ اس سلسلے میں درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں وہ انشا کی غلطیوں کی اصلاح کے لیے یہ طریقۂ کار تجویز کرتے ہیں کہ انشا کے کام کو طلبا سے پڑھوا کر سنا جائے اور جملوں کی ساخت، الفاظ کے استعمال اور عبارت کے اندر ربط اور تسلسل پر توجہ مرکوز کرائی جائے۔

دراصل تحریری کام کی اصلاح کے ذریعے ہمارا مقصد محض اصلاح نہیں ہوتا، بلکہ تحریری کام کو موثر بنانا بھی مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا استاد کا مقصد محض یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنے طالب علموں سے انشا کے اچھے نمونے لکھوائے، بلکہ ان کے اندر اس بات کی بھی صلاحیت پیدا کرے کہ طلبا اپنی غلطیوں کو نوٹ کر کے ان کی اصلاح خود کر سکیں۔ لیکن دشواری یہ پیش آتی ہے کہ عام طور پر اساتذہ اپنی غلطیوں کو بھی انشا کی غلطیوں میں شمار کرتے ہیں، جو درحقیقت انشا کی نہیں ہوتیں۔ مسئلہ بدخطی، انشا کی غلطی نہیں ہے، لہٰذا اس کی بنیاد پر اساتذہ کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ طلبا انشا کے کام میں کمزور ہیں۔ خوشخطی اچھی چیز ہے، لیکن یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض اچھے انشا پرداز بدخط ہوتے ہیں اور بعض بُرے مضامین بہت خوش لکھے جاتے ہیں۔

اصلاح سے متعلق اساتذہ کے رویے مختلف ہوتے ہیں، بعض اساتذہ جنھیں اپنی ذمہ داری کا

احساس رہتا ہے، اپنے شاگردوں کی کاپیاں گھر لے جاتے ہیں اور سُرخ روشنائی سے تمام غلطیوں کی اصلاح بکمر دیتے ہیں۔ بعض اساتذہ ایسے بھی ہیں جو طلبا کی کاپیاں گھر لے جاتے ہیں مگر اصلاح کرنے کے بجائے رنگ برنگی پنسل سے کاپیوں پر آڑے ترچھے نشانات بنا دیتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ آیندہ بھی وہی غلطیاں دہراتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی اصلاح سے انھیں محض یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ یہ نہیں پتہ چلتا کہ غلطی کی نوعیت کیا ہے چنانچہ طلبا میں وہ نظر نہیں پیدا ہو پاتی جس سے وہ خود اپنی غلطیوں کی اصلاح کر سکیں۔

اصلاح کے لیے جو علامتیں استعمال کی جاتی ہیں، وہ بھی ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ لہٰذا طلبا ان علامتوں سے واقف نہیں ہو پاتے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علامتیں مقرر کر لی جائیں اور طلبا کو بتا دیا جائے تاکہ انھیں اندازہ ہو سکے کہ غلطی املا کی ہے، رموز و اوقاف کی ہے، گرامر کی ہے یا الفاظ کے استعمال کی ہے۔ اردو میں رموز و اوقاف کی غلطیاں اکثر سرزد ہوتی ہیں لیکن اس میں عدم واقفیت کا کم دخل ہوتا ہے، لاپرواہی اور عدم توجہی کا زیادہ۔ انگریزی کی طرح اردو املا کے بہت واضح اصول نہیں ہیں اور بڑی حد تک یہ غیر منطقی اور غیر صوتیاتی ہے۔

تعلیمی نقطۂ نظر سے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انشا کا کام ختم ہونے کے بعد طلبہ سے کہا جائے کہ وہ اپنی غلطیاں خود نوٹ کریں، پھر غلطی کی نوعیت دریافت کر کے خود اصلاح کریں۔ لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہو سکتا ہے، جب کہ کمرۂ جماعت میں ضروری وسائل فراہم کر دیے جائیں۔ کمرۂ جماعت میں املا کا انتظام خصوصیت کے ساتھ ہونا چاہیے تاکہ طلبا الفاظ کے ہجے دریافت کر سکیں۔ لیکن تجربے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عملاً ہر درجے کے لیے لغت کا استعمال ممکن نہیں۔ یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ہر درجے کی اپنی علیحدہ کتابوں کی الماری ہو۔

اصلاح کا آسان طریقہ یہ ہے کہ طلبا آپس میں کاپیوں کا تبادلہ کر لیں۔ اس طرح خود ہی ایک دوسرے کے ناقد بن جائیں۔ لیکن اصلاح اگر استاد کے ذریعے ہوتی ہے، تو استاد کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ انشا کے پورے کام کی اصلاح نہ کرے، بلکہ مشترک غلطیوں کی نشاندہی کر دے۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ استاد جلدی سے کاپیوں کو پڑھ ڈالے اور کمزور پہلوؤں کو ذہن نشین کر لے، پھر مشترک غلطیوں کو تختۂ سیاہ پر لکھ دے۔ زیادہ بہتر ہو اگر استاد ان غلطیوں کے اسباب کی بھی وضاحت کر دے۔ لیکن ہر کاپی پر استاد کی رائے ضرور ہونی چاہیے اگر بغیر رائے زنی کے کاپی واپس کر دی گئی، تو طالب علم کو یہ محسوس ہوگا کہ اس کے کام کو استاد نے توجہ کے لائق نہیں سمجھا۔ طالب علم کا کام چاہے

کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، اس کی ہمت افزائی ضرور کرنی چاہیے۔

شروع شروع میں انشا کا کام غیر اطمینان بخش ہوتا ہے۔ زبان کھردری ہوتی ہے، خیالات میں ترتیب نہیں ہوتی، پارہ بندی ناقص ہوتی ہے، گرامر کی غلطیاں ہوتی ہیں اور الفاظ اور محاوروں کا استعمال صحیح نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود طلبا کی ہمت شکنی نہیں کرنی چاہیے اور بیک وقت تمام پہلوؤں کی طرف توجہ نہیں دلانی چاہیے، بلکہ کسی ایک پہلو پر توجہ مرکوز کرانی چاہیے۔ مثال کے طور پر کسی تحریر میں اگر الفاظ اور محاوروں کا استعمال مناسب نہیں ہے تو اس تحریر کو موزوں اسلوب اور مناسب الفاظ میں لکھ کر طالب علم کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ تحریر کے دونوں نمونوں کا موازنہ کرانا چاہیے۔ اس مقصد کے پیش نظر کبھی کبھی انشا پردازی کے عمدہ نمونے بھی پیش کیے جا سکتے ہیں۔

بعض طالب علم اچھے جملے لکھ لیتے ہیں، لیکن بعض کو عمدہ جملے لکھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں استاد کو چاہیے کہ طالب علم کو اس کمی کا شدید احساس نہ دلائے۔ جملے سادہ ہوں، تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن خیالات میں ربط ضروری ہے۔ حروف ربط اور ضمیر اضافی کے استعمال پر خصوصیت کے ساتھ زور دینے کی ضرورت ہے، کیونکہ ان کے استعمال سے عبارت آرائی میں سہولت ہوتی ہے۔ منصوبہ بندی اور ترتیب و تنظیم کا کام بعد کی جماعتوں کے لیے اٹھا رکھنا چاہیے۔

غلطیوں کی اصلاح کے سلسلے میں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ عمدہ تحریر کے لیے زبانی ہدایات دینا بے سود ہوتا ہے، کیونکہ مشق اور ریاضت کے بغیر اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا استاد کو چاہیے کہ کمزور بچوں کی کاپیوں کی اصلاح خود کرے۔ اس کا مناسب طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مناسب اشاروں میں غلطیوں کی نشان دہی کر دی جائے۔ مثلاً مترادف لفظ غلط استعمال کیا گیا ہے، لفظ چھوٹ گیا ہے یا جملے کی ساخت غلط ہے۔ یہ اور اس قسم کے دیگر اشارے بچوں کی رہنمائی کے لیے دیے جا سکتے ہیں تاکہ وہ اپنی غلطیوں کو دریافت کر سکیں اور مشق کے ذریعے صحیح لکھنے کی تربیت حاصل کر سکیں۔

تصحیح اور اصلاح کے ضمن میں یہ مسئلہ ہمیشہ زیر غور رہتا ہے کہ آخر اصلاح کا مناسب وقت کونسا ہوتا ہے۔ وہ وقت جب طالب علم انشا کے کام میں مصروف ہو یا اس کے بعد۔ تجربے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انشا کا کام کراتے وقت اصلاح دی جا سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کمرۂ جماعت وسیع ہو، ڈیسک اور بنچوں کے درمیان گزرنے کا راستہ ہو اور طلبا کی تعداد بہت زیادہ نہ ہو۔

یہ استاد کے صوابدید پر منحصر ہے کہ انشا نویسی کے دوران غلطیوں کی اصلاح کرے یا بعد میں، لیکن ہر صورت میں اس کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ایسی صورت نہ ہونے پائے جس سے طالب علم کی ہمت شکنی ہو اور اس کے تحریری اظہار پر کسی قسم کی بندش ہو۔

7

گرامر کی تدریس

عام ملحوظات گرامر کی تدریس سے متعلق ماہرین تعلیم کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ گرامر کی تدریس ہر سطح کے طلبا کے لیے ضروری ہے اور اس کو علیحدہ مضمون کی حیثیت سے پڑھانا چاہیے۔ بعض کی رائے ہے کہ خالص گرامر کی تدریس ایک کارِ عبث ہے۔ خاص طور سے چھوٹی جماعتوں میں اس کی تدریس بالکل بے معنی ہے۔ لہٰذا گرامر کو علیحدہ مضمون کی حیثیت سے پڑھانا مناسب نہیں۔ بڑی جماعتوں میں یقیناً اگر جدید طریقے سے گرامر پڑھائی جائے، تو اس کی تعلیم دلچسپ اور پُرلطف بن سکتی ہے۔

مدرسے کی منزل پر گرامر پڑھانے کے حق میں درج ذیل دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔

- گرامر کی مدد سے زبان سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔
- گرامر کی تعلیم سے انشا میں مدد ملتی ہے اور تقریری اور تحریری اظہارِ خیال میں صفائی پیدا ہوتی ہے۔
- گرامر کی مدد سے افہام و تفہیم میں سہولت ہوتی ہے۔
- گرامر سے طالب علم کے ذہن کی تربیت ہوتی ہے اور اس میں توجہ، ارتکاز، تعقل، تجرید اور تحلیل کی قوتیں نشوونما پاتی ہیں۔
- گرامر سے استحسانِ ادب میں مدد ملتی ہے۔
- گرامر سیکھے بغیر زبان و ادب کی تعلیم ممکن نہیں۔

مخالفین کا کہنا ہے کہ گرامر پڑھانے سے زبان دانی کا شوق پیدا ہونے کے بجائے تنفر کا جذبہ ابھرتا ہے۔ انشا کے کام میں اس سے کوئی مدد نہیں ملتی کیونکہ دونوں میں کوئی تعلق نہیں۔ گرامر کی مشقیں تحلیلی ہوتی ہیں اور مضمون نگاری کے کام کی نوعیت ترکیبی ہوتی ہے۔ ایک کی مہارت دوسرے میں نہیں استعمال ہو سکتی۔ لہٰذا یہ بات صریحاً غلط ہے کہ گرامر سے انشا کے کام میں مدد ملتی ہے۔ اس سلسلے میں

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ بغیر گرامر پڑھائے ہوئے طلبا میں انشا کی بہتر صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح گرامر کی تدریس سے استحسان ادب میں بھی کسی قسم کی مدد نہیں ملتی' بلکہ بیلارڈ اور ہوانٹ کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ گرامر کی تدریس سے تفہیم کے عمل میں کسی قسم کی سہولت نہیں ہوتی۔ لہٰذا استحسان ادب کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

دُنیا کے تمام ماہرین لسانیات اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ سیکڑوں الفاظ ایسے ہیں جو بچہ ماں کی گود میں سیکھتا ہے۔ وہ دوسروں کو جس طرح بولتے سنتا ہے' خود بھی اسی طرح بولنے کی کوشش کرتا ہے اور گرامر کے لفظ سے آشنا ہوئے بغیر تقریری مہارت پر قدرت حاصل کرتا ہے۔ اس طرح بچے کو اپنی مادری زبان سیکھنے کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی۔

بابائے اردو مولانا عبدالحق سے ان کے کسی عالم دوست نے یہ شکایت کی کہ انھوں نے انجمن کی طرف سے صرف و نحو کی کتاب کیوں چھاپی۔ ان کے دوست کے خیال میں صرف و نحو کی کتابیں بچوں کے لیے ہوتی ہیں۔ مولانا نے فرمایا "مجھے اس میں کلام ہے کہ صرف و نحو کی کتابیں بچوں کے لیے مخصوص ہیں بلکہ میری رائے میں انھیں زبان کی صرف و نحو پڑھانا عبث ہے۔۔۔۔ ایک جدید زبان کے لیے گرامر (صرف و نحو) کی چنداں ضرورت نہیں۔" (قواعد اردو۔ عبدالحق ص۱۱)

اگر دنیا کی مختلف زبانوں کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو اس بات کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں گرامر کے اصول بعد میں مرتب ہوئے۔ گرامر کی ضرورت اس وقت ہوئی جب کہ زبان کے محاورے بدلنے شروع ہوئے۔ چنانچہ اصل صورت برقرار رکھنے کے لیے اصول و ضوابط مقرر کیے گئے۔ ان اصول و ضوابط کی ضرورت اس وقت آتی ہے جب کہ کوئی نئی زبان سیکھنی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں یا تو اہل زبان خود اپنی زبان کی گرامر مرتب کرتے ہیں یا زبان کے نئے سیکھنے والے اپنی ضرورت کے تحت گرامر کے اصول و ضوابط مقرر کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر ہندوستانی گرامر کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ شروع شروع میں غیر ملکی مصنفین نے گرامر کی کتابیں مرتب کیں۔ ان میں شیکسپیر' پلاٹ اور فوربس کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

غیر ملکی مصنفین کے سامنے مقصد یہ تھا کہ غیر ملکیوں کو ہندوستانی زبان سکھائی جائے۔ اس لیے اُن مصنفین نے گرامر کی کتابوں میں ایسی تفصیلات بیان کی ہیں' جن کی اہل زبان کو ضرورت نہیں ہوتی۔

اردو گرامر کی تالیف عام طور پر فارسی اور عربی صرف و نحو کے تتبع میں کی گئی ہے۔ مولانا اسمٰعیل میرٹھی نے اس بات کو محسوس کیا اور پہلی بار اس روایت سے بغاوت کی۔ انھوں نے اردو زبان کی فطرت پر

غور کیے انگریزی گرامر کے انداز پر اردو قواعد مرتب کی۔ اس کے بعد سے فارسی اور عربی کی تقلید کا سلسلہ ختم ہوا اور گرامر کی بہت سی مفید کتابیں تالیف کی جانے لگیں۔ لیکن ان کتابوں میں بھی یہ نقص پایا جاتا ہے کہ ہر منزل کے طلبا کے لیے درجہ وار نہیں لکھی گئی ہیں اور نہ ان میں منطقی ربط اور تسلسل قایم ہے۔ ان کتابوں میں ایک غلط رجحان یہ بھی کارفرما ہے کہ گرامر کو ایک جداگانہ مضمون تصور کر لیا گیا ہے۔

گرامر کی تدریس کے حق میں یا اس کے خلاف مذکورہ بالا سطور میں جو دلیلیں پیش کی گئی ہیں وہ کسی قدر انتہا پسندی پر مبنی ہیں۔ ہر چند کہ گرامر کی تعلیم زبان سیکھنے میں معاون نہیں ہوتی تاہم اس میں بعض اعتبار سے فائدے نظر آتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ گرامر بچوں کو بولنا نہیں سکھاتی بلکہ دوسروں کی گفتگو سن کر وہ زبان کی صحت یا عدم صحت سے متعلق صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں۔ یہ بجا کہ انشا کی تعلیم میں اس سے مدد نہیں ملتی لیکن لکھتے وقت یا دوسروں کی تحریر پڑھتے وقت ہم صحت زبان کے بارے میں گرامر کے علم سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ گرامر کی تعلیم اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ ایک سے زیادہ زبانیں سیکھنے اور سکھانے کا رواج بہت عام ہو رہا ہے۔ لہٰذا غیر زبان والے یا غیر ملکی شخص کو زبان کے ابتدائی قاعدے اور اصول سمجھانے کے لیے گرامر کی ضرورت ناگزیر ہے۔

گرامر کی تعلیم میں تین باتوں کا علم ضروری ہے۔

1۔ علم ہجا

2۔ صرف

3۔ نحو

علم ہجا سادہ آوازیں اور ان کی تحریری شکلیں یا علامتیں حرف کہلاتی ہیں اور ان حروف سے متعلق جو علم فراہم کیا جاتا ہے، وہ علم ہجا کہلاتا ہے۔

علم صرف اس کا علم الفاظ، الفاظ کی تقسیم، گردان اور اشتقاق پر مشتمل ہوتا ہے۔ الفاظ میں ایک سے زیادہ آوازیں ہوتی ہیں اور ان آوازوں کی تحریری علامت لفظ کہلاتی ہیں۔ اس میں صورت کی تبدیلی کا ذکر ہوتا ہے۔

علم نحو بات چیت یا جملے میں لفظوں کا ایک دوسرے سے اور جملوں کا باہمی تعلق نحو کہلاتا ہے۔ اس میں لفظ کے باطن اور اس کے مفہوم سے بحث کی جاتی ہے۔

دراصل گرامر زبان کی سائنس ہے۔ اس کے ذریعے دوسروں کی تقریر و تحریر کی صحت اور عدم صحت کو پرکھا جاتا ہے۔

آخر میں اس بات پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ گرامر کو ایک جداگانہ مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے یا اس کو زبان کی تعلیم کا ایک حصہ سمجھا جائے۔ طالب علم کی نفسیات اور مضمون کی نوعیت کے پیش نظر زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ پرائمری درجات میں گرامر کی تعلیم سے گریز کیا جائے۔ چھٹی ساتویں اور آٹھویں جماعت میں گرامر کو نثر و انشا کے اسباق سے مربوط کر کے پڑھایا جائے اور نویں جماعت سے آگے یعنی ثانوی اور اعلیٰ ثانوی منزل پر اس کو علیحدہ مضمون کی حیثیت دی جائے۔ اگر ثانوی منزل کے آغاز سے گرامر کی تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ نہ شروع کیا گیا تو خدشہ ہے کہ اعلیٰ ثانوی پر گرامر کی باقاعدہ تعلیم ممکن نہ ہو سکے گی۔ لہٰذا مضمون کا تسلسل قایم رکھنا ضروری ہے۔

استخراجی طریقہ گرامر کی تدریس کے لیے ہمارے مدرسوں میں اب بھی روایتی طریقہ برتا جاتا ہے۔ یہ طریقہ استخراجی طریقے کے نام سے رائج ہے جو نہایت ہی خشک اور بے جان ہے، کیوں کہ اس کے تحت طالب علموں کو کچھ ایسی تعریفیں رٹوا دی جاتی ہیں اور بعض ایسی اصطلاحات ازبر کرا دی جاتی ہیں جن کا مفہوم سمجھنے سے وہ قاصر رہتے ہیں۔ اس کے بعد اسم صفت، ضمیر اور فعل کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور آگے چل کر ہر ایک سے متعلق شاخ در شاخ نہ جانے کتنی معلومات کا انبار طالب علم کے دماغ میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گرامر کے نام سے طالب علم کی روح خشک ہونے لگتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے گرامر سے متنفر ہو جاتا ہے۔

استخراجی طریقے میں تدریسی عمل کچھ اس طرح انجام پاتا ہے کہ پہلے اصول اور تعریف پھر مثال اور آخر میں مشق کا انتظام ہوتا ہے۔ اس طریقے سے ایک بڑا نقص یہ ہے کہ طالب علم گرامر کو ایک جداگانہ مضمون سمجھنے لگتا ہے، پھر یہ کہ اس میں "نامعلوم سے معلوم کی جانب" اقدام کرنا پڑتا ہے، جو پڑھانے کے عام اصول کے خلاف ہے۔ بچہ جس چیز سے مانوس ہوتا ہے، اس کے توسط سے اس نامانوس اشیاء کے بارے میں پڑھانا زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس میں طلبا کی دلچسپی قائم رہتی ہے۔

استخراجی طریقہ اس اعتبار سے بھی ناقص ہے کہ اس میں اصطلاحات رٹوائی جاتی ہیں۔ پھر یہ کہ اصطلاحات میں یکسانیت بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے طلبا کو پریشانی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر کسی کتاب میں اسم حال کی اصطلاح ملتی ہے تو دوسری میں اسم حالیہ کی اصطلاح پڑھنی پڑتی ہے۔ اس کی وجہ سے طلبا کو سمجھنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ بعض دفعہ تو ایسا ہوتا ہے کہ رٹنے کے باوجود، وہ یہ محسوس نہیں کر پاتے کہ دونوں اصطلاحات اصل میں ایک ہی ہیں۔

استقرائی طریقہ گرامر کی تدریس سے طالب علم کو عملی فائدہ اسی وقت پہنچ سکتا ہے، جب کہ تدریس کے لیے استقرائی طریقہ اختیار کیا جائے یعنی پہلے ایسی مثالیں فراہم کی جائیں جن سے طلبا مانوس ہوں، سوال و جواب کے ذریعے ان مثالوں سے تعمیم کرائی جائے اور اصول قاعدے اور کلیے اخذ کرائے جائیں۔ پھر نئی صورت حال میں نئی مثالوں کے ذریعے ان کا انطباق کرایا جائے۔

یہ طریقہ اس اعتبار سے بھی مفید ہوتا ہے کہ اس میں معلوم سے نامعلوم کی طرف اقدام کرتے ہیں، جو نفسیاتی اعتبار سے طالب علموں کے لیے بہت موزوں ہے۔

استقرائی طریقے سے اگر گرامر پڑھائی جائے، تو طالب علم کا ذہن ہر وقت فعال رہتا ہے اور وہ خود کاوش کر کے تعریف اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور نئی صورت حال میں اس کا انطباق بھی کرنا سیکھ جاتا ہے۔ اس طرح طالب علم کا پورا اشتراک حاصل ہوتا رہتا ہے جس کے باعث اس کی دلچسپی قایم رہتی ہے اور نئی نئی بات سیکھنے میں اس کو مسرت حاصل ہوتی ہے۔

استقرائی طریقے سے گرامر پڑھاتے وقت بول چال کے کم سے کم جز دیعنی جملے سے آغاز کرنا چاہیے، اس لیے کہ جملے سے علیحدہ لفظ کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ بول چال پہلے بچّے کے تجربے میں آتی ہے، تحریر بعد میں۔ پھر یہ کہ تحریر کے اندر لفظ جامد اور بے حس رہتا ہے لیکن بول چال میں لہجے اور موقعے کے لحاظ سے اس کی کئی صورتیں ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا گرامر پڑھاتے وقت عملی فائدہ اسی صورت میں ہوگا جب کہ بول چال کی اکائی یعنی جملے اور جملے کے اجزا کو بنیاد بنایا جائے تاکہ یہ سارا عمل علیحدہ سبق کی صورت میں نہ نظر آئے۔

زبان کے اسباق پڑھاتے وقت مناسب یہ ہوگا کہ مثالیں اسباق سے فراہم کی جائیں اور تعمیم کی بنیاد پر تعریف اخذ کرائی جائے۔ پھر نئے جملوں میں اس کا استعمال کرایا جائے۔ اس طرح نثر کے اسباق پڑھانے کے ساتھ گرامر کی تدریس بھی ہو سکتی ہے اور طلبہ اس کو علیحدہ مضمون نہیں سمجھیں گے بلکہ زبان کے سبق کا ہی ایک حصّہ تصور کریں گے۔ دراصل گرامر کے ذریعے زبان پڑھانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ زبان کے توسط سے گرامر کے پڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ خالص گرامر کی رو سے بچّوں کے لیے سب سے بڑی دِقّت یہ ہوتی ہے کہ مانوس باتوں کو غیر مانوس طریقوں سے سمجھایا جاتا ہے، جب کہ بچّہ زبان سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ اس کے ذریعے مانوس چیزوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

گرامر کی مشقوں کے سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ ہر صورت میں طالب علم کی دلچسپی ملحوظ رکھی جائے۔ اس کی ایک آسان صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زبانی مشق زیادہ کرائی جائے، تحریری کم۔

دراصل گرامر کی موثر تعلیم اس بات پر منحصر ہے کہ استاد اس کام میں کتنی ذاتی دلچسپی کا اظہار کرتا ہے اور کس حد تک جدت طبع سے کام لیتا ہے۔ کمرۂ جماعت میں اگر تنوع اور دلچسپی کا خیال نہ رکھا گیا، تو گرامر کی تعلیم و تدریس کا صحیح حق ادا نہ ہو سکے گا۔

اعلیٰ ثانوی منزل پر گرامر کو علیحدہ مضمون کی حیثیت سے بھی پڑھایا جا سکتا ہے لیکن روایتی طریقۂ تدریس کو ترک کر کے جدید طریقۂ تدریس اپنانا مناسب ہو گا۔

مطالعہ

عام ملحوظات مطالعہ آموزش کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس لیے درس و تدریس میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ ایک طرف اگر حصول معلومات کا ذریعہ ہے، تو دوسری طرف اس کے ذریعے انسانی تجربات ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح تہذیب و تمدن کے فروغ میں اس کا ایک اہم رول ہے۔

مطالعے کا عمل ایک پیچیدہ اور بڑی حد تک دلچسپ عمل ہے۔ اس میں آنکھ کا استعمال ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ مطالعے کے دوران اگر آنکھ کی حرکت درست نہیں ہے، تو مطالعہ ناقص ہوگا۔ لہٰذا اساتذہ کو عام طور سے اور زبان کے استاد کو خاص طور سے اس کا مکمل علم ہونا چاہیے۔ مطالعے کے دوران آنکھ کی حرکت کا مشاہدہ ایک مخصوص آلے کی مدد سے کیا جاتا ہے، جس کو آپتھلوگراف کہتے ہیں۔ پڑھتے وقت نظر آگے کو حرکت کرتی ہے لیکن پیچھے کو بھی لوٹتی رہتی ہے، اس لیے کبھی کبھی لفظ یا فقرے کو ٹھیک سے پہچاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر نظر کی حرکت بار بار پیچھے کی جانب ہو، تو اس کا مطلب ہے کہ مطالعہ ناقص ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اگر معمولی عبارت کا خاموشی کے ساتھ مطالعہ کرتے وقت نظر کو فی سطر پانچ یا چھ بار سے زیادہ توقف کرنا پڑے، تو اس کا مطلب ہے کہ مطالعہ کنندہ کمزور ہے اور مطالعہ ناقص۔

اچھی نظر کا تعلق اچھی صحت سے ہے۔ جدید تحقیقات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جو بچے جسمانی طور سے کمزور ہوتے ہیں، ان کی نظر بھی کمزور ہوتی ہے۔ کمزوری کی وجہ سے مطالعے کے دوران نظر زیادہ زور برداشت نہیں کر سکتی۔ یعنی بصری پختگی کا بہت کچھ انحصار جسمانی پختگی پر ہے۔ جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے، جسمانی پختگی بھی حاصل ہوتی جاتی ہے اور نظر میں استحکام پیدا ہوتا جاتا ہے۔ لہٰذا مواد مطالعے کی تشکیل حفظان صحت کے اصولوں کے تحت بھی کرنی چاہیے تاکہ دوران مطالعہ آنکھوں کو کم سے کم زور برداشت کرنا پڑے، اور اس کی وجہ سے جو تکان پیدا ہوتی ہے، اس سے بھی نجات مل جائے۔ مواد مطالعہ کی

تشکیل میں کتابت، حروف کے سائز اور طباعت کا بڑا اہم رول ہوتا ہے۔ اگر ان لوازمات کا معقول لحاظ رکھا جا سکے، تو مطالعے میں سہولت پیدا ہو سکتی ہے اور تکان بھی کم ہونے کا امکان ہے۔ مواد مطالعہ کا آنکھ سے ۱۲ سے ۱۴ انچ تک فاصلہ رکھنا مناسب ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مناسب روشنی اور معقول نشست کا انتظام ہو، تو آنکھوں پر دباؤ کم پڑتا ہے۔ قدرتی روشنی میں پڑھنا بہت اچھا ہوتا ہے۔ لیکن جدید طرز زندگی کے پیش نظر مصنوعی روشنی میں پڑھنا ناگزیر ہے۔ لہٰذا مصنوعی روشنی میں پڑھتے وقت روشنی کی شدت اور سمت کے ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ شدت اتنی کہ پڑھنے میں آنکھ پر غیر ضروری زور نہ پڑے اور روشنی بائیں طرف سے آئے تاکہ کتاب پر ہاتھ کا سایہ نہ پڑے۔

مطالعے کے عمل میں طالب علم کو پورے طور پر فعال ہونا پڑتا ہے۔ اس میں سر، آنکھ، سینے کا نظام، اعضائے نطق، اعضائے دماغ اور مشارکتی عصبی نظام بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مطالعہ کنندہ کو شعوری طور پر اس کا احساس نہیں ہو پاتا کہ دوران مطالعہ اعصاب، پٹھے اور غدود کس حد تک متاثر ہوتے ہیں۔

مطالعے کی اہمیت کے پیش نظر زبان کے استاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے شاگرد دل میں صحیح اور فکر انگیز مطالعے کی عادت پیدا کرے۔ اس سلسلے میں استاد اور شاگرد کے زاویۂ نگاہ میں فرق ہوتا ہے۔ خاص طور سے ابتدائی جماعت کے بچوں کو سب سے پہلے اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ پڑھنا سیکھیں اور بعد میں حصول معلومات کے لیے پڑھیں۔ لہٰذا استاد کو چاہیے کہ وہ مطالعے کے میکانیکی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں میں بغور پڑھنے کی عادت ڈالے۔ درست مطالعے کے کام میں شاگردوں کی رہنمائی کرے اور ان کے علم کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہو۔

مطالعے کی جانب آمادگی پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر کسی طالب علم سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ کیوں کسی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے، تو مختلف قسم کے جواب کی توقع ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ استاد یا والدین کے دباؤ میں اس نے کتاب کا مطالعہ کیا، کتاب سے لطف اندوز ہونے کی غرض سے اس نے کتاب پڑھی یا حصول معلومات کے لیے مطالعے کو ذریعہ بنایا۔ بعض طالب علم سکون حاصل کرنے کے لیے اور بعض بڑوں کو خوش کرنے کے لیے بھی پڑھتے ہیں۔ لیکن کسی خارجی دباؤ یا خارجی تحریک کے تحت مطالعہ کرنے میں یہ نقصان ہوتا ہے کہ مطالعے کا عمل مقصد سے عاری اور لطف سے یکسر خالی ہوتا ہے

ہمارے مدرسوں میں مطالعے کی اہمیت پر خاطر خواہ زور نہیں دیا جاتا چنانچہ اساتذہ کو بالعموم اور یونیورسٹی کے اساتذہ کو بالخصوص یہ شکایت رہتی ہے کہ طلبا میں باقاعدہ مطالعے کی عادت نہیں ہوتی،

جس کی وجہ سے معنی کو اخذ کیے بغیر مطالعہ کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ یقیناً مطالعے کی ایک ناقص شکل ہے۔ باقاعدہ مطالعے سے مراد ہے کہ طلبا کو اچھا مطالعہ کنندہ بنایا جائے۔ یعنی جو کچھ انھوں نے پڑھا ہے اس سے واجبی تفہیم کر سکیں اور زیرِ مطالعہ مواد سے وہ باتیں اخذ کر سکیں جن کا سمجھنا ضروری ہو۔ اخذ و قبول اور افہام و تفہیم کا معیار، مطالعے کے معیار کے ساتھ بدلتا جاتا ہے۔

مطالعے میں رہنمائی کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اگر استاد کمرۂ جماعت میں ایسی فضا پیدا کر دے جس میں طالب علم صبر و سکون کے ساتھ مطالعہ کر سکے، تو کمزور ذہن کا طالب علم بھی بہتر نتائج برآمد کر سکتا ہے، بشرطیکہ کتاب طالب علم کے معیار کے مطابق ہو اور دلچسپ ہو، کمرۂ جماعت کا ماحول پُرسکون ہو، نشست کا انتظام معقول ہو اور ہوا اور روشنی کی حسبِ ضرورت گنجائش ہو۔ اگر یہ تمام سہولیات فراہم کر دی جائیں، تو کمرۂ جماعت کے علاوہ بھی مؤثر طور پر مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ مدرسے کا کتب خانہ مطالعے کے لیے بہترین مواقع فراہم کرتا ہے۔ گھر پر بھی سہولیات میسّر آ سکیں تو مطالعہ بہت مؤثر اور کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔

خاموش مطالعہ خاموش مطالعہ عہدِ حاضر کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اس لیے کہ نجی زندگی سے لے کر کاروباری زندگی تک ہر جگہ خاموش مطالعے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے ذریعے کم سے کم وقت میں ضروری معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، حقائق، واقعات اور معلومات کی بنیاد پر تفہیم پیدا کی جاتی ہے اور اس طرح مطالعے کو خیالات اور تصوّرات کی وسعت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔

خاموش مطالعہ اس وقت شروع کرانا چاہیے، جب کہ طلبا ہجّے اور تلفّظ کی بنیادی مہارتوں پر دسترس حاصل کر لیں اور صحتِ زبان اور روانی کے ساتھ بلند خوانی کی اچھی طرح مشق کر لیں۔ تیسری جماعت سے اگر یہ کام شروع کرایا جائے، تو بہتر ہو کیونکہ اس منزل پر پہنچتے پہنچتے طلبا بلند خوانی کی مہارتوں پر عبور حاصل کر چکے ہوتے ہیں اور ان کی رفتارِ طبع اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اپنے شوق سے کتابیں پڑھ سکیں۔

خاموش مطالعے کا کام شروع کرانے کے سلسلے میں ماہرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، بعض تیسری جماعت اور بعض پانچویں جماعت سے آغاز کرانے کے حق میں ہیں، بعض تجربہ کار اساتذہ نے اس بات کا مشورہ دیا ہے کہ خاموش مطالعہ تیسری جماعت سے شروع کرا دینا چاہیے، لیکن اچانک نہیں بلکہ بلند خوانی اور خاموش خوانی کے درمیان ایک کڑی فراہم کی جائے، جس کو مطالعہ زیرِ لب کا نام تجویز کیا گیا ہے۔ مطالعہ زیرِ لب نہ تو بلند خوانی کی صف میں آتا ہے اور نہ خاموش خوانی کے زمرے میں، بلکہ درمیانی

منزل ہے یوں سمجھیے کہ خاموش خوانی کی تیاری کی منزل۔ جس میں ہونٹ ہلتے ہیں آواز دھیمی ہوتی ہے اور نظر تیزی سے کام کرتی ہے۔ عام طور پر یہ کیفیت قرآن شریف پڑھتے وقت ہوتی ہے۔

خاموش مطالعے کے دو اہم مقاصد ہوتے ہیں۔ زود خوانی اور مطلب فہمی۔ زود خوانی سے مراد ہے کہ پڑھنے کی رفتار میں تیزی پیدا ہو۔ تیز رفتاری کی پیمائش اس طرح کی جاتی ہے کہ فی منٹ الفاظ کی گنتی کر لی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ نظر اور الفاظ میں کتنا فاصلہ ہے۔ جب ہم کوئی عبارت پڑھتے ہیں تو ہماری نگاہ عموماً زیر مطالعہ الفاظ سے آگے ہوتی ہے اس فاصلے کو حیطۂ مطالعہ کہتے ہیں۔ حیطۂ مطالعہ جس قدر زیادہ ہوگا، اسی قدر مطالعے کی رفتار زیادہ ہوگی۔

زبان کی تدریس کو موثر بنانے کے لیے خاموش مطالعے کی اہمیت پر زور دینا بہت ضروری ہے۔ استاد کو چاہیے کہ تعلیمی سال کے آغاز سے ہی خاموش مطالعے پر زور دینا شروع کر دے اور سال کے آخر تک درست مطالعے کی ترتیب فراہم کر دے۔ خاموش مطالعے کا عمل اگر خشک اور بے جان ہوگا تو شاگردوں کی دلچسپی قائم نہ رہ سکے گی۔ اس کام کو دلچسپ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ خاموش مطالعے کا آغاز آسان عمل سے کیا جائے، اور رفتہ رفتہ گہرے مطالعے کی جانب راغب کیا جائے۔ یعنی مواد مطالعہ آسان ہو اور رفتہ رفتہ دشوار ہوتا جائے۔ اسی طرح تفہیم کے اعتبار سے بھی مواد مطالعہ کے تقاضے بھی بڑھتے جائیں گے اور ادراک کا میدان وسیع تر ہوتا جائے گا۔

خاموش مطالعے کی اولین شرط ہے کہ عبارت خاموشی کے ساتھ اور غور سے پڑھی جائے۔ اس سلسلے میں طالب علموں کو یہ واضح ہدایت ہونی چاہیے کہ عبارت پڑھنے کے بعد کتاب الٹ دیں تاکہ تفہیم عبارت کی جانچ کی جا سکے اور اس بات کا اندازہ لگایا جا سکے کہ طلبا نے عبارت سے خاطر خواہ مفہوم اخذ کر لیا ہے یا نہیں۔ سوالات پوچھنے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ طالب علم نے کس مقام پر سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اور تفہیم کی کیا دشواریاں سامنے آتی ہیں۔ شروع شروع میں سوالات سہل ہونے چاہئیں۔ اُن میں کسی قسم کے ابہام کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ ابتدائی سوالات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عبارت کی جانب طلبا کی توجہ مبذول کرائی جائے۔

بعد کے سوالات کی نوعیت، ابتدائی سوالات کے مقابلے میں کسی قدر پیچیدہ ہوتی ہے۔ اِس منزل پر ایسی معلومات اور تفصیلات دریافت کرنا مطالعے کا مقصد ہوتا ہے۔ جن کا الفاظ میں اظہار نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا ان سوالات میں اشخاص، مقامات، اشیا اور واقعات کے بارے میں جن کا متن میں ذکر ہوا ہے، پوچھا جائے گا۔

تیسری منزل کے سوالات متن تک محدود نہیں ہو سکتے۔ بلکہ متن میں جن باتوں کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے متعلق بھی سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ مماثل یا مخالف صورت حال کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ذاتی تجربے کی ترغیب دی جاتی ہے، منطقی تحویل کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے اور نتائج اخذ کرائے جاتے ہیں۔ نئی اہمیت کے حامل خیالات کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور آزادانہ فکر کی نشو و نما کرائی جاتی ہے۔

خاموش مطالعے کو موثر بنانے کے لیے استاد کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، اس لیے کہ عبارت کی تفہیم و تحسین کا بہت کچھ انحصار موثر مطالعے پر ہے۔ خاموش مطالعے سے زود خوانی کی مہارت اور مطلب فہمی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ زود خوانی سے متعلق مذکورہ بالا سطور میں کافی ذکر ہو چکا ہے۔ مطلب فہمی سے متعلق مطالعہ اور عنوان کے تحت تفصیلی بحث کی جائے گی۔

باآواز بلند مطالعہ خاموش مطالعہ کرۂ جماعت کی ایک اہم سرگرمی ہونے کے ساتھ مدرسے کے بعد کی زندگی کا بھی ایک اہم مشغلہ ہے۔ اس کے برعکس باآواز بلند مطالعے کا موقع بیرون مدرسہ شاذ و نادر ہی مل پاتا ہے۔ خاموش مطالعے کے ذریعے قاری تفہیم اور تخیل پیدا کرنا چاہتا ہے، جب کہ باآواز بلند مطالعے کے ذریعے قاری کی آواز میں تفہیم و تخیل کا دوبارہ اظہار ہوتا ہے۔ بلند آواز کے ساتھ پڑھنے والا شخص، مصنف کی آواز نہیں سن سکتا، وہ محض صفحۂ قرطاس پر چھپے ہوئے حروف کو دیکھ سکتا ہے اور ان حروف کو آواز میں تبدیل کر سکتا ہے۔ قاری اس آواز میں نہیں پڑھتا، جس میں بولتا اور گفتگو کرتا ہے۔ وہ اپنے جذبات، خیالات اور احساسات کو بول کر ادا کرتا ہے لیکن پڑھتے وقت وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنی آواز میں مصنف کے جذبات اور خیالات کو ادا کرے۔ بالفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ کرداروں کی زبان بولتا ہے۔ دراصل بلند خوانی بھی ایک پیچیدہ عمل ہے، جس کے لیے مخصوص قسم کی مہارت درکار ہوتی ہے۔

بلند خوانی کے عمل میں باآواز بلند پڑھنے والا شخص اظہار، لہجے اور آہنگ کی تبدیلی سے عبارت میں جان ڈال دیتا ہے۔ لیکن وہ اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ اس کی آواز میں کس قسم کی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ الفاظ کی ادائیگی اور مفہوم کے اظہار اور لب و لہجے کی تبدیلی میں جو تغیرات پیش آتے ہیں، ان کا شعوری طور پر اس کو اس وقت تک احساس نہیں ہوتا، جب تک کہ باقاعدہ اس کی تربیت نہ دی جائے۔ اس لیے زبان کے استاد کو خاص طور سے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے طالب علموں میں بلند خوانی کی مہارت پیدا کرے۔ زبان کے اساتذہ عام طور سے اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ بلند خوانی کے کام میں طالب علموں کی کس طرح رہنمائی کی جائے۔ اس سلسلے میں ان کے تصورات

اکثر و بیشتر مبہم ہوتے ہیں۔ لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ بلند خوانی کے واضح مقاصد کا تعین کریں اور طلبا کو زیادہ سمجھ بوجھ کر اور صفائی کے ساتھ باآواز بلند پڑھنے کی تربیت دیں۔ اگر استاد اس فن کے تمام رموز سے واقف ہے تو یقیناً استاد اور شاگرد دونوں کو کامیابی ہوگی۔

ایک تجربہ کار استاد اس بات سے بھی واقف ہوتا ہے کہ باآواز بلند مطالعے کی مہارت پیدا کرانا آسان کام نہیں بلکہ اس کے لیے یہ ایک مسئلے کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کو مسئلہ ہی سمجھ کر حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تجربے اور مشاہدے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عام طور پر مدارس میں بلند خوانی کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی اور کم و بیش ایک ہی طریقہ ہر قسم کے مواد مطالعہ کے لیے اپنایا جاتا ہے۔ یعنی شاگردوں سے باری باری عبارت پڑھوائی جاتی ہے اور باقی طلبا اپنی کتابوں میں دیکھتے ہیں اور پڑھتے ہوئے سنتے ہیں اس طرح انفرادی طور پر شاگردوں کو پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ لیکن اس طریقہ کار پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس سے باآواز بلند مطالعہ کی صحیح مہارت نہیں پیدا ہو سکتی۔

دوسرا طریقہ یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ باآواز بلند پڑھنے والا شاگرد کمرۂ جماعت میں سب سے آگے کھڑا ہو کر بلند خوانی کرے۔ جماعت کے باقی طلبا سماعت پر توجہ مرکوز رکھیں، ان کی کتابیں بند ہوں، کتابیں کھلی رکھنے اور بلند خوانی کے ساتھ الفاظ اور جملوں پر نظر دوڑانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور بلند خوانی کرنے والے طالب علم کی تمام تر کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ اس لیے کہ قاری کی توجہ الفاظ کی ادائیگی لب و لہجے اور اظہار مرکوز نہیں ہو پاتی، بلکہ وہ عبارت کے مفہوم کی جانب راغب ہو جاتا ہے۔

باآواز بلند مطالعے کی اولین ضرورت یہ ہے کہ ان مہارتوں کی نشاندہی کر لی جائے، جن کو باآواز بلند مطالعے کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ پھر شاگردوں کی کمزوریوں کی شناخت کر لی جائے۔ یہ کام کسی قدر مشکل ہے۔ لیکن ایک تجربہ کار استاد کے لیے مشکل نہیں۔ وہ اپنی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مقاصد کا ٹھیک ٹھیک تعین کر سکتا ہے، مہارتوں کی نشاندہی کر سکتا ہے اور کمزوریوں کی شناخت کر سکتا ہے۔

بلند خوانی کے لیے جو مہارتیں درکار ہیں، وہ حسب ذیل ہیں۔

1 - ادائیگی

2 - آواز کا زیر و بم

3 - اظہار

ان تینوں میں بیک وقت مشق کرانے سے خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا اور انفرادی کمزوریاں بھی دور نہیں ہو پاتیں۔ اس لیے یہ طریقہ پیش کیا گیا ہے کہ ان تینوں مہارتوں کو باری باری پختہ کرانے کی

کوشش کی جائے لیکن جماعتی تدریس، درجے میں شاگردوں کی کثیر تعداد اور معیار کی پستی کے پیش نظر، انفرادی مہارتوں کی تربیت اور مشق کا کام زیادہ مشکل ہے۔ بہرکیف یہ استاد کے صوابدید پر ہے کہ وہ موقع محل کے اعتبار سے کس طریقے کو اپناتا ہے۔ طریقۂ تدریس جو بھی اپنایا جائے ان تینوں مہارتوں کی مشق کرانا ضروری ہے۔

۱-ادائیگی صحیح تلفظ کے ساتھ لفظ کی ادائیگی میں تین باتیں شامل ہوتی ہیں۔ اخراج، اعراب اور تفصیل۔ اخراج سے مراد ہے کہ ج، ز، ق، ض، ظ اور غ کی آوازیں صاف صاف ادا کی جائیں اور لفظ کو صحیح مخرج کے ساتھ پڑھا جائے۔ اعراب میں زبر، زیر، پیش اور تشدید شامل ہیں اور تفصیل سے مراد ہے کہ لفظ کے تمام ارکان واضح طور سے ادا کر دیے جائیں۔ ان کے علاوہ ادائیگی آواز میں چند اور خصوصیات کا عمل دخل ہوتا ہے۔ مثلاً سانس پر قابو پانا، آواز کا آگے کی طرف اٹھنا، گونج اور گنگ کا خیال رکھنے سے الفاظ کی زیادہ صاف ادائیگی ہوتی ہے۔ تقریر کے نقائص کبھی کبھی عضویاتی سبب سے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے الفاظ کی ادائیگی کے دوران اگر استاد کو کوئی ایسی علامت نظر آئے، تو فوراً طبی امداد طلب کرنی چاہیے۔

الفاظ کی بہتر ادائیگی کی مشق کے لیے ضروری قدم اٹھانے سے پہلے استاد کو نمونے کی بلند خوانی کے دوران الفاظ کی واضح طور پر ادائیگی کرنی چاہیے اور اس عمل کے دوران مصمتوں اور مصوتوں کو نہایت باریکی اور صفائی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں مقابلے اور موازنے کا طریقہ بھی مفید ثابت ہوا ہے۔ یعنی ایک بار تلفظ اس طرح ادا کیا جائے کہ اخراج ارکان اور اعراب پر درست طریقے سے زور دیا جائے۔ دوبارہ پھر اسی جملے کو پڑھا جائے اور تلفظ کسی قدر سرسری طور سے ادا کیا جائے۔ پھر دونوں کا مقابلہ کیا جائے اور دونوں طرح سے پڑھنے کی کیفیت پر جماعت سے رائے طلب کی جائے۔ اس طرح درست طریقۂ خواندگی کی جانب شاگردوں کی توجہ مبذول کرائی جا سکتی ہے۔ یہ طریقہ کسی ایسے ماحول میں تو مفید ثابت ہو سکتا ہے، جہاں نصاب، تعداد طلبا اور معیار تعلیم مناسب ہو، ورنہ عملاً اس قسم کے مقابلے اور موازنے کی فرصت استاد کو کم میسر آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ طلبا کے سامنے غلط نمونہ پیش کر کے صحیح طریقے کی جانب متوجہ کرانا مناسب نہیں۔ آخر اس میں کیا قباحت ہے کہ شاگردوں کے سامنے تلفظ کا صحیح نمونہ پیش کر دیا جائے اور ان سے الفاظ کی صحیح ادائیگی کرائی جائے۔

آواز کا زیر و بم باآواز بلند مطالعے کی دوسری اہم مہارت یہ ہے کہ پڑھتے وقت آواز میں بھی روح پھونکی جا سکتی ہے۔ باآواز بلند پڑھتے وقت استاد کو ان الفاظ اور فقروں کی نشاندہی کر لینی چاہیے، جن پر خاص طور سے زور دینا مقصود ہے۔ نظم کی تدریس میں

خصوصیت کے ساتھ اس کے مواقع درپیش آسکتے ہیں۔ مصرعوں کی موزونیت اور ہم آہنگی کا بہت کچھ انحصار اسی پر ہے۔

اظہار بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کی تیسری مہارت اظہاریت ہے۔ یعنی عبارت اس طرح پڑھ کر سنائی جائے کہ سامع تک مفہوم کی ترسیل ہو سکے اور جن خیالات، جذبات اور محسوسات کو مصنف نے پیش کیا ہے، اس کی صحیح ترجمانی ہو سکے۔

مطالعہ اور تفہیم گزشتہ صفحات میں مطالعے کے اقسام اور طریقۂ تدریس سے متعلق خاطر خواہ بحث کی جا چکی ہے۔ اس باب میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مطالعے اور تفہیم کے درمیان کیا رشتہ ہے، اور مطالعے کی رفتار سے فہم کی ذکاوت کا کیا تعلق ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے مطالعہ اور فہم کی نفسیات پر غور کر لیا جائے۔

مطالعے کی نفسیات نفسیاتی اعتبار سے مطالعہ ایک فعّال عمل ہے، جس میں مطالعہ کنندہ مواد مطالعہ کے الفاظ، جملوں کی ساخت اور عبارت کی خصوصیات کو بنظر غائر دیکھتا ہے اور اپنے مذاق اور ذہنی اپج کے مطابق اس کی تاویل کرتا ہے۔ اس طرح مواد مطالعہ اس کے لیے خیال انگیزی کا سبب بنتا ہے اور اس کے فکر و تخیل کو حرکت میں لاتا ہے۔ اس طرح الفاظ آنکھوں کی وساطت سے ذہن میں اتر جاتے ہیں، اور ہر شخص کو اس کی بصارت اور بصیرت کے مطابق متاثر کرتے ہیں۔ پڑھنے والوں میں چونکہ انفرادی فرق موجود ہوتا ہے، اس لیے ایک ہی عبارت دو یا دو سے زائد پڑھنے والوں کو مختلف انداز سے متاثر کرتی ہے۔

فہم کی نفسیات فہم کا منصب یہ ہوتا ہے کہ الفاظ کو صحیح معنی کے ساتھ ربط دے کر درست مفہوم اخذ کرنے میں معاون ہو۔ فہم کی کارفرمائی تقریر اور تحریر دونوں میں ہوتی ہے۔ تقریر میں مقرر کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے مافی الضمیر کو بحسن و خوبی ادا کر دے تاکہ سننے والے کے ذہن میں وہی خیالات پیدا ہو جائیں، جو تقریر کرتے وقت مقرر کے ذہن میں تھے۔ تحریر میں بھی یہی کوشش ہوتی ہے علامات و حروف کے ذریعے مافی الضمیر کو اس طرح ادا کیا جاتا ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں وہی خیالات پیدا ہو جائیں جو تصنیف کرتے وقت مصنف کے ذہن میں تھے۔ لیکن یہ مقصد اس وقت فوت ہو جاتا ہے جب ترسیل معنی اور وضاحت بیان، اسلوب بیان سے ہم آہنگ نہ ہو۔

تفہیم کے عمل میں قاری کو پورے طور سے فعال رہنا پڑتا ہے اور اس بات کی کوشش کرنی پڑتی ہے کہ الفاظ کے بصری اثرات و تصورات اور سابقہ تجربات کو تفہیم سے ہم آہنگ کر دیا جائے۔ اس عمل میں

آنکھ کی عضویاتی حرکت کے علاوہ بصری اثرات بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں اور فہم کی ذکاوت پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

نفسیاتِ فہم کے سلسلے میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فہم کی کیفیت پر توارث اور ماحول اثرانداز ہوتے ہیں یعنی اس بات کا امکان ہے کہ عضویاتی نقص نہ ہونے کے باوجود سماعی اور بصری اثرات و تصورات ناقص ہوں۔ اس لیے استاد کو اپنے شاگردوں کی کوتاہ فہمی پر چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ ازراہِ ہمدردی اصلاح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر شاگردوں کے سامنے صفائی کے ساتھ مقصد پیش کر دیا جائے، اور زیرِ درس مواد سے طالب علموں میں دلچسپی پیدا کر دی جائے، تو مطالعے اور تفہیم کے لیے تحریک ذہنی پیدا ہو سکتی ہے۔

مطالعہ اور تفہیم مطالعہ اور تفہیم سے متعلق ایک عام غلط فہمی یہ معلوم ہوتی ہے کہ زیادہ سنجیدہ مواد مطالعہ میں مطالعے کی رفتار کا دخل نہیں ہوتا بلکہ محض تفہیم بنیادی مقصد قرار دیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ جب مطالعے کی رفتار تیز ہوتی ہے تو تفہیم میں بھی تیزی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ آنکھوں کو جس قدر تیز رفتاری کے ساتھ پڑھنے کی ترتیب دی جائے، اسی قدر تیزی سے دماغ بھی مواد مطالعہ کو جذب کرتا ہے۔ غیر تربیت یافتہ مطالعہ کنندہ 50 سے 60 فی صد تک مواد مطالعہ کی تفہیم کر پاتا ہے جبکہ اس کی رفتار 200 سے 250 الفاظ فی منٹ تک ہوتی ہے۔ اگر مطالعے کی رفتار فی منٹ 600 الفاظ کر دی جائے تو تفہیم کی صلاحیت 80 سے 90 فی صد تک ہو سکتی ہے۔

تفہیم ایک پیچیدہ عمل ہے، جس میں الفاظ، فقرات، تراکیب اور جملوں کی تفہیم شامل ہے۔ یہ خیالات کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو کبھی پیراگراف اور کبھی پورے باب کا احاطہ کرتا ہے، اور کبھی عبارت کے ایک ہی ٹکڑے میں وحدتِ خیال کا سراغ مل جاتا ہے۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ توجہ کے ساتھ عبارت کا مطالعہ کیا جائے، اور پہلے الفاظ کے لغوی معنی اخذ کرائے جائیں، پھر سیاقِ عبارت میں تفہیم کرائی جائے۔ لیکن مطالعے کے دوران ہر لفظ پر غور کرنا ضروری نہیں، بلکہ پہلے ان الفاظ پر غور کرنا چاہیے، جن سے عبارت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہو۔ اس طرح الفاظ کے معنی کھنگالنے کے بعد کلیدی جملوں پر غور کرنا چاہیے تاکہ ان کی مدد سے مفہوم واضح ہو جائے، اور ان جملوں کی نشاندہی ہو سکے، جن میں کوئی نیا خیال پیش کیا گیا ہو یا خیالات کا سلسلہ جہاں سے مڑتا ہو۔ اس طرح پوری عبارت کی تفہیم کرائی جانی چاہیے۔

تفہیم کے عمل میں ایک دلچسپ بات یہ ہوتی ہے کہ الفاظ کے جس مجموعے پر آنکھ مرکوز ہوتی ہے،

اسی کے ذریعے خیالات کی ترسیل ہوتی ہے۔ فرداً فرداً الفاظ سے مفہوم کی ترسیل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مطالعہ کنندہ سُست رفتار ہوتا ہے، تو اس کی نگاہ لمحہ بہ لمحہ انفرادی الفاظ پر رکتی ہے۔ اس طرح خیالات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے اور سیاق و سباق آنکھ سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ سیاق و سباق تو دراصل پورے فقرے میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب سُست رفتاری کے ساتھ مطالعہ کیا جاتا ہے، تو اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ عبارت کی مکمل تفہیم نہ ہو پائے، کیونکہ مفہوم کی جستجو میں انفرادی الفاظ اور فقرات پر توقف کرنے کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ مفہوم تو دراصل الفاظ کے مجموعے یعنی فقرات اور جملوں پر مشتمل ہوتا ہے، بلکہ کبھی کبھی تو پوری عبارت پڑھنے کے بعد ہی اخذ کیا جا سکتا ہے۔

درج بالا امور کے پیش نظر وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مطالعے کی رفتار جس قدر زیادہ ہوگی، اسی قدر خیالات کی تفہیم بھی وسیع ہوگی لہٰذا مطالعہ کراتے وقت اس بات کی تربیت دینی چاہیے کہ ایک نظر میں زیادہ الفاظ کا احاطہ کیا جائے اور خیالات کی اکائیوں یعنی فقروں اور جملوں پر ایک ساتھ نظر مرکوز کرنی چاہیے۔

موثر تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ ذخیرۂ الفاظ میں وسعت ہو۔ ذخیرۂ الفاظ میں جس قدر اضافہ ہوگا اسی قدر مطالعے کی رفتار میں بھی تیزی پیدا ہوگی۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ موادِ مطالعہ کا قابلِ تفہیم ہونا بہتر مطالعے کے لیے ایک لازمی شرط ہے، کیونکہ زبان سمجھنے میں اگر طالب علم کو دُشواری نہ پیش آئے تو اس کو مطالعے میں مسرت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن نشین کرنا چاہیے کہ مطالعہ اگر بہت آسان ہو اور زبان اتنی سہل ہو کہ تفہیم کے لیے کوئی کاوش نہ کرنی پڑے، تو اس صورت میں بھی مطالعہ اور تفہیم کا کام بے اثر ہو جاتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دلچسپی اور لطف اندوزی کا عنصر کم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جب تفہیم کے لیے سعی درکار ہو، اور اخذ مطلب کے لیے ذہن پر زور دینے کی ضرورت پیش آئے، تو تفہیم کا عمل بہت دلچسپ بن جاتا ہے اور طالب علم کو حصولِ کامیابی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

زبان کے استاد اور دیگر اساتذہ میں ایک بڑا فرق یہ ہوتا ہے کہ زبان کے استاد کو زبان و ادب کی تدریس کے لیے درسی کتاب کا سہارا لینا پڑتا ہے، جب کہ دیگر مضمون کے استاذ کے لیے موادِ تعلیم کے انتخاب میں بڑی حد تک آزادی ہوتی ہے۔ لہٰذا زبان کے استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ بہتر مطالعے اور تفہیم کی صلاحیت پیدا کرانے کے لیے درسی کتاب کو وسیلہ بنائے، اور الفاظ کے پردے کے پیچھے خیالات کی جو وسیع دنیا پوشیدہ ہے، اس سے طالب علم کو آشنا کرائے۔ اس کوشش میں

کئی سطحوں پر مفاہیم سمجھانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور الفاظ کے ظاہری اور باطنی معنی کی تفہیم کرانی پڑتی ہے تاکہ مصنف کے خیالات اور تصورات تک شاگردوں کی رسائی ہو سکے۔ اس طرح ان میں اس بات کی صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ عبارت میں پنہاں خیالات کو ذہن نشین کر لیں، اور خیالات کی کڑی سے کڑی اس طرح ملائیں کہ مجموعی طور پر واضح ہو جائے تاکہ مصنف کے خیالات اور تجربات کی صحیح ترجمانی ہو سکے۔

۹

نصاب

نہ جانے درسگاہوں کو کہاں لے جا کے دم لے گی
یہ تعلیمی کج اندیشی، یہ بے سمتی نصابوں کی — پرویز شاہدی

عام ملحوظات نصاب کی بے سمتی اور بے ربطی کا شکوہ ہر شخص کو ہے، شاعر ہو یا ادیب، ماہر تعلیم ہو یا صحافی، استاد ہو یا شاگرد سبھی اس کا رونا روتے نظر آتے ہیں۔ یہ شکوہ بڑی حد تک بجا ہے، اس لیے کہ ہمارے مدارس میں نصاب حقیقی زندگی سے بے نیاز ہے۔ اس میں توازن کی کمی ہے، اور مختلف منزلوں کے نصاب میں منطقی ربط اور تسلسل کا فقدان ہے۔ مزید یہ کہ نصاب میں بچوں کی نفسیات، اُن کی فطرت اور ان کے درمیان انفرادی فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ اس لیے یہ بڑی حد تک بے اثری کا شکار ہے۔

نصاب کی اہمیت مسلّم ہے، اس لیے کہ اس کی معنویت اور جامعیت پر تعلیم کی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے۔ ایک اچھے نصاب کے بغیر اس بات کا قوی امکان ہے کہ صحیح مقصد پیش نظر رکھنے کے باوجود استاد ٹیڑھا راستہ اختیار کرے، اور منزل مقصود سے دور جا بھٹکے۔ اس لیے ہر سطح کی تعلیم کے لیے ایک عمدہ نصاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک معقول نصاب سے نہ صرف تعلیم میں معنویت اور اثر پذیری پیدا ہوتی ہے، بلکہ استاد کے کام کی سمت بھی متعین ہوتی ہے، اور اس کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حصول مقصد کے لیے کون کون سی راہیں نکالنی ہوں گی۔

ثانوی منزل کے نصاب کی تشکیل کرتے وقت عام طور پر محض وقوفی پہلوؤں پر زور دیا جاتا ہے، اور دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اگر ثانوی منزل کے طلبا کی تعلیمی لیاقت کا جائزہ لیا جائے، تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وقوفی پہلوؤں میں بھی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا جب ہائی اسکول سے نکل کر یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہیں، تو اکثر و بیشتر انھیں نہ تو زبان پر قدرت حاصل ہوتی

ہے نہ شعر و ادب سے واقفیت۔ ان کے پاس خیالات کا سرمایہ بھی محدود ہوتا ہے اور لسانی اظہار کی سہولت بھی ناکافی ہوتی ہے۔ چنانچہ ان میں اس بات کی بھی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے سیدھے سادے خیالات کو بھی صحیح اور صاف زبان میں ادا کر سکیں۔

لہٰذا نصاب کی ترتیب میں اس امر کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ اس میں مبلغ علم اس طرح فراہم کیا جائے کہ فراہمی معلومات کے ساتھ ساتھ طالب علموں میں صحت مند رجحانوں کا بھی فروغ ہو، اور اس کے ذریعے فرد اور سماج کی ضرورتوں، امنگوں اور تقاضوں کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہو۔ مزید یہ کہ نصاب کی تیاری میں طالب علم کے تہذیبی پس منظر، گرد و پیش کے ماحول اور علاقائی اور ملکی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے اور آخر میں اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ نصاب میں کافی لچک ہو تاکہ استاد مضمون پڑھاتے وقت اگر مجوزہ نصاب اور "درپردہ نصاب" میں کسی قسم کا اختلاف پائے تو اس کو فرد اور سماج کی ضرورت کے لحاظ سے اس طرح ڈھالنے کی کوشش کر سکے کہ قومی مقاصد اور بنیادی اقدار پر حرف نہ آئے۔

ہر ملک و قوم کے نزدیک ثانوی تعلیم کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، اس لیے کہ ملک کی استقامت کا بہت کچھ انحصار ثانوی تعلیم کی پائیداری پر ہوتا ہے۔ اس منزل سے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لیے کارکنوں کی ایک کثیر تعداد فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں بھی توانائی انھیں کے دم سے آتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک کے تعلیمی ڈھانچے کی یہ سب سے کمزور کڑی ہے۔ چنانچہ ثانوی منزل کے اختتام پر وہ لوگ جو تعلیم کو خیرباد کہہ کر زندگی میں شریک ہو جاتے ہیں، دوبارہ رسمی تعلیم سے فیضیاب نہیں ہو پاتے۔ اس لیے ثانوی سطح پر انھیں ایسی تعلیم دینی چاہیے، جو ان کی آئندہ زندگی کی ضروریات کو پورا کر سکے اور وہ سماجی و معاشی طور پر خود کفیل ہو سکیں، نیز اگر کبھی مزید تعلیم کی ضرورت محسوس ہو تو اُسے باضابطہ تعلیم کے اداروں کے ذریعے یا غیر رسمی طور پر حاصل کر سکیں۔

ثانوی منزل پر عام طور سے نصاب کی کم مائیگی کا شکوہ ہوتا رہتا ہے لیکن اردو نصاب کے سلسلے میں یہ امر اور بھی زیادہ باعث تشویش ہے۔ اردو کی تعلیم کے سلسلے میں بحیثیت مجموعی حالات بے حد ناموافق ہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ملک کے بہت سے ثانوی مدارس میں محدود طریقے پر ہی سہی، اردو کی تدریس کا کام جاری ہے، اور ان مدارس کے ذریعے اردو کی ترویج و اشاعت کی خدمت انجام دی جا رہی ہے۔ لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ثانوی منزل

کے لیے اردو کا ایسا نصاب تیار کیا جائے، جو طالب علم کو خود کفیل بنا سکے اور سماج کے جدید تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔

آزادی کے بعد تعلیم کی اصلاح و ترقی کے لیے حکومت ہند کی جانب سے جو کوششیں عمل میں آئی ہیں، ان میں سے دو خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ایک ثانوی تعلیمی کمیشن (53 - 1952) اور دوسرا تعلیمی کمیشن (66 - 1964)، ان دونوں کی رپورٹوں میں منجملہ اور باتوں کے نصاب کے نقائص کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور واضح طور پر یہ نکتہ چینی کی گئی ہے کہ ہمارے مدرسوں کا نصاب بڑی حد تک کتابی ہے، اس کا تصور محدود ہے اور اس کے اندر رٹنے رٹانے پر زیادہ زور ہے۔ یہ نصاب شخصیت سازی سے عاری ہے اور اس کے اندر امتحان کا بے جا دباؤ ہے۔ پھر یہ کہ تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے طالب علم کو واقعات و حقائق کا علم فراہم کیا جاتا ہے۔ مہارتیں سکھائی جاتی ہیں دلچسپی اور رویے پیدا کیے جاتے ہیں اور زندگی کی صحت مند قدروں سے روشناس کرایا جاتا ہے۔

تعلیمی کمیشن (66 - 1964) نے انھیں ملحوظات کے پیش نظر ثانوی تعلیم کے ڈھانچے میں تبدیلی کی سفارش کی تھی۔ تقریباً دس برس بعد مرکزی مشاورتی بورڈ نے اس پر عمل درآمد کرنے کا مشورہ دیا اور مئی 1975 کے نئے تعلیمی کمیشن نے 3 + 2 + 10 اسکیم کے نفاذ کا اعلان کیا۔ اس اسکیم کے تحت کئی ریاستوں میں درسیات کی تنظیم نو کی گئی۔ عام تعلیم کی مدت آٹھ سال سے بڑھ کر دس سال کر دی گئی اور ثانوی تعلیم کی اختتامی منزل آٹھ اور گیارہ کے بجائے 12 + 10 + 8 قرار پائی۔

تعلیمی کمیشن نے چونکہ سہ لسانی فارمولے کو قومی پالیسی کے طور پر تسلیم کرنے کی سفارش کی تھی، اس لیے 3 + 2 + 10 کے تحت زبانوں کی تعلیم کا جو خاکہ پیش کیا گیا۔ اس میں زبانوں کی تعلیم پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دی گئی اور اس بات کی سفارش کی گئی کہ ابتدائی منزل پر مادری زبان یعنی پہلی زبان کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ درمیانی منزل پر پہنچ کر طالب علم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی مادری زبان پر قدرت حاصل کر چکا ہوگا۔ لہٰذا اس منزل پر دوسری زبان سے طالب علموں کو متعارف کرایا جائے گا اور ثانوی منزل پر پہلی اور دوسری زبان کے ساتھ ساتھ تیسری زبان بھی سکھائی جائے گی۔ گویا درمیانی اور ثانوی منزل پر اعلیٰ لسانیاتی اور تصوراتی مواد کے ذریعے زبان کی بنیادی مہارتوں میں مزید اضافہ کرایا جائے گا۔ اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ دس سال کی تعلیم کے اختتام پر طالب علم کے اندر پہلی زبان کی پوری اہلیت پیدا ہو جائے گی، دوسری زبان میں اتنی مہارت ہو جائے گی کہ وہ عبارت کو سمجھ سکے اور زبان کے

اظہار پر قدرت حاصل کرے اور تیسری زبان میں بس اتنی لیاقت پیدا ہو جائے کہ وہ چھپی ہوئی معمولی عبارت کو پڑھ سکے ۔

تعیینِ نصاب ثانوی سطح پر اردو کا نصاب مرتب کرتے وقت ایک بڑی دشواری یہ پیش آتی ہے کہ مدارس میں اردو مختلف حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ کہیں پر مادری زبان کی حیثیت سے، کہیں ثانوی زبان اور کہیں علاقائی زبان کی حیثیت سے ۔ لہٰذا اردو کا نصاب مرتب کرتے وقت اُردو کی نوعیت کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے ۔

جدید تعلیمی نظریات کے پیش نظر نصاب مرتب کرتے وقت مضمون کے تعلیمی مقاصد کا ذکر بھی ضروری ہوتا ہے، اس لیے کہ عام تعلیم کے مقاصد اس وقت تک محدود تصور کیے جاتے ہیں جب تک مضمون وار مقاصد واضح طور پر نہ بیان کیے جائیں۔ لہٰذا مادری زبان کی حیثیت سے ثانوی منزل پر اردو کی تعلیم کے مقاصد بھی نصاب میں شامل کرنا ضروری ہے ۔ نصاب میں تسلسل اور ربط کے پیش نظر مدرسے کی منزل پر اردو کی تدریس کے مقاصد مختصراً یوں بیان کیے جا سکتے ہیں ۔

ابتدائی منزل اس منزل پر طالب علم کو زبان کی بنیادی مہارتیں سکھانا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ مناسب الفاظ میں دوسروں سے گفتگو کر سکے، سادے اور مختصر جملوں میں اپنے خیالات کو لکھ کر پیش کر سکے۔ باآواز بلند صحیح تلفظ، موزوں لہجے اور مناسب رفتار کے ساتھ پڑھ سکے، خاموش خوانی کی صحیح عادت پیدا کر سکے اور عبارت کو پڑھ کر نفسِ مضمون اخذ کر سکے ۔

وسطانی منزل یہ چھٹی جماعت سے آٹھویں جماعت تک کی منزل ہوتی ہے ۔ اس منزل پر بچّے کی جسمانی ذہنی اور ذہنی نشوونما ہوتی ہے ۔ بہت سے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے یہ تعلیم کی آخری منزل ہوتی ہے، کیونکہ تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا انھیں اس طرح تیار کرنا چاہیے کہ آئندہ زندگی کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اس منزل پر میکانکی مہارتوں کی مشق جاری رہے گی ۔ لیکن اپنی زبان پر پہلے کے مقابلے میں زیادہ عبور حاصل ہو جائے گا اور اچھے ادب کی پرکھ کا بھی تھوڑا بہت سلیقہ آجائے گا ۔

ثانوی منزل اس میں نویں اور دسویں جماعتیں شامل ہوتی ہیں ۔ اس منزل کے اختتام پر بھی بہت سے لڑکے اور لڑکیاں تعلیم سے کنارہ کش ہو جائیں گے ۔ لہٰذا ان کے اندر ایسی صلاحیت پیدا کر دینی چاہیے کہ وہ منتخب ادب پاروں سے لطف اندوز ہو سکیں، ادیبوں کی تخلیقی نگارشات کے مطالعے سے استفادہ کر سکیں اور لسانی اور فکری مواد کے ذریعے سابقہ منزل کی مہارتوں کی مشق جاری رکھ سکیں ۔ ادبی اور لسانی مہارتوں کو ترقی دینے کے علاوہ طالب علموں میں صحیح

قسم کے رویے پیدا کرانا بھی زبان کی تعلیم کا مقصد ہوتا ہے۔ لہٰذا انسانی دوستی، رواداری اور قومی احساس کا جذبہ بھی طالب علموں میں پیدا کرانا چاہیے۔

حصولِ مقاصد ان مقاصد کے حصول کے لیے اردو کے نصاب میں حسبِ ذیل مشاغل تجویز کیے جا سکتے ہیں۔

1۔ پڑھنا:۔ پڑھائی کا کام بڑی حد تک درسی کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اردو کی درسی کتابیں جو ثانوی مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں، ان کی تصنیف و تالیف کا کام بڑی حد تک روایتی اور فرسودہ ہے۔ یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوتی ہے کہ آزادی سے پہلے اصنافِ سخن کی جو ترتیب قائم رکھی گئی تھی، وہ بڑی حد تک آج بھی قائم ہے اور بعض شعرا کے چند مخصوص انتخابات ثانوی، اعلیٰ ثانوی اور کالج کی سطح پر بھی درسی کتاب میں شامل ہے۔ انتخاب مواد میں اس بات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ آج کے طلبا کا وہ معیار نہیں ہے، جو بیس تیس برس پہلے تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ مرتبین اور مؤلفین طلبا کے معیار اور ان کی ضروریات سے قطعی بے خبر اور بے تعلق ہیں۔ چنانچہ بعض درسی کتب میں ایسے قصائد اور ایسی غزلوں کا انتخاب کر دیا گیا ہے، جن کی تفہیم اور تحسین آج کالج کے طلبا کے لیے بھی مشکل ہے۔ ثانوی مدرسہ کے طلبا کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ تو اگر لفظوں کے بجے یاد کر لیں، اور مصرعوں کو موزوں کر کے پڑھ لیں، تو یہی ان کے لیے کافی ہوگا۔

ثانوی منزل پر غزلوں کے انتخاب میں خاص طور سے کوتاہی برتی گئی ہے اور ایسی غزلوں کا انتخاب کر دیا گیا ہے، جن میں بوسہ لب، رقیب، زلف سیاہ، ہجر و وصال اور سبزہ خط جیسی ترکیبوں کا ذکر ہے۔ وہ لمحہ استاد کے لیے بہت صبر آزما ہوتا ہے، جب ایسی غزلوں کو پڑھاتے وقت شاگرد، سرسری اشاروں سے مطمئن نہیں ہوتا اور گہرائی میں ان علامتوں کو سمجھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا ثانوی منزل پر غزلوں کے انتخاب میں بہت احتیاط برتنی چاہیے اور عشق و محبت کی روایتی علامتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اردو میں ایسی شاعری کا وافر ذخیرہ موجود ہے، جن کے ذریعے ادبی و جمالیاتی شعور بیدار کیا جا سکتا ہے، اور ساتھ ساتھ طالب علموں میں راست گوئی، محب الوطنی اور انسان دوستی کا جذبہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح نثر کے انتخاب میں مضامین کے تنوع کے ساتھ ساتھ اسالیب کو عہد جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہیے اور سائنسی اور سماجی علوم سے بھی ان کا رشتہ جوڑنا چاہیے۔

۔لکھنا۔ اردو کے نصاب میں انشا کے کام پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے، اور اس کام کو محض چند فرسودہ عنوانات پر مضامین لکھوانے تک محدود کر دیا جاتا ہے جب کہ اس کام میں بہت

تنوع کی گنجائش ہے۔ اشتہار، اعلان، مراسلہ نگاری اور مضمون نگاری سے لے کر تصحیح اور اختصار نویسی تک مختلف نوعیت کے کام ثانوی منزل پر کرائے جاسکتے ہیں۔ مدرسہ میں پڑھائے جانے والے مختلف مضامین سے اس کا ربط پیدا کیا جاسکتا ہے، اور ساتھ ہی مدرسے کے دیگر مشاغل سے بھی اس کو ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا نصاب مرتب کرتے وقت ایسے تمام مواقع ذہن میں رکھنے چاہئیں، اور ان سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں اساتذہ کی رہنمائی کرنی چاہیے۔

2۔ گرامر کی تدریس کے لیے بھی نصاب میں واضح اشارات ہونے چاہئیں۔ ثانوی منزل پر جن موضوعات کو گرامر کے تحت شامل کیا جاسکتا ہے، وہ حسب ذیل ہیں۔

اسم اور اسم کے اقسام۔
تذکیر و تانیث
واحد و جمع
فعل ماضی کے اقسام
حروف ربط
افعال لازمی اور متعدی
حروف تعجبیہ اور استفہام کا استعمال
صنائع، بدائع

10

درسی کتب

عام ملحوظات کسی بھی نظامِ تعلیم میں درسی کتب کا ایک اہم مقام ہے۔ خاص طور سے زبان کی درسی کتاب مدرسے کی ہر سطح پر ایک خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ بیشتر اساتذہ انھیں کتابوں کو ابتدائی اور ثانوی منزل کی تعلیم میں ایک بنیادی وسیلے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا ثانوی سطح پر موثر تعلیم بڑی حد تک اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ طلبا کو کس قسم کی درسی کتاب پڑھنے کے لئے فراہم کی جاتی ہے۔

زبان کی درسی کتاب اور دیگر مضامین کی درسی کتاب میں بنیادی فرق ہوتا ہے۔ زبان کی درسی کتاب کا مقصد فراہمی معلومات نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ذریعے زبان و ادب کی تعلیم اور صحت مند قدروں اور رویّوں کا فروغ مقصود ہوتا ہے۔ معلومات کی نوعیت ثانوی اور ضمنی ہوتی ہے۔ مگر دیگر مضامین کی درسی کتاب میں فراہمی معلومات پر زور دیا جاتا ہے اور اسی کو بنیادی مقصد تصوّر کیا جاتا ہے۔ زبان کی درسی کتاب میں نفسِ مضمون کی تشریح و توضیح کا کام استاد کو کرنا ہوتا ہے۔ لیکن دیگر مضامین کی درسی کتابوں میں نفسِ مضمون کی تشریح مصنّف بذاتِ خود کرتا ہے۔ اس اعتبار سے زبان کی درسی کتاب استاد کے لیے ناگزیر ہے۔ اسی کے ذریعے وہ طلبا کے آموزشی تجربات کو فروغ دیتا ہے، ان کے اندر شعر و ادب کا ذوق پیدا کرتا ہے اور فرد، سماج اور معاشرے سے متعلق صحیح رویّوں کی آبیاری کرتا ہے۔ بحیثیت مجموعی زبان کی درسی کتاب عمل آموزش میں معاون ثابت ہوتی ہے اور شخصیت سازی میں بڑی حد تک ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔

مواد مطالعہ زبان کی درسی کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ اس کے ذریعے مطالعے کا جو مواد فراہم کیا جائے، وہ بہتر ہو اور قابلِ تفہیم ہو۔ اس لیے کہ زبان و ادب کی موثر تعلیم اور شخصیت کی متوازن نشو و نما کا بہت کچھ انحصار مواد مطالعہ کی وقوفی نوعیت پر ہوتا ہے۔ مواد جس قدر

واضح اور صاف ہوگا، اسی قدر مطالعہ بھی موثر ہوگا اور تفہیم اور تحسین کی بہتر صلاحیت پیدا ہوگی۔ کوئی تحریر قابل مطالعہ اس وقت بنتی ہے جب اس کے مطالعے سے پوشیدہ خیالات اور تصوّرات اخذ کیے جا سکیں۔ یہ خصوصیت اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب لفظ، جملے اور پیراگراف میں ایک خوشگوار رشتہ پیدا کیا جائے اور ان کے درمیانی روابط کو سہل بنایا جائے۔ اگر مواد مطالعہ میں جملے بے ربط ہوں، بیان میں منطق کا فقدان ہو اور اسلوب بیان ناموزوں ہو، تو وقوف در کنار، لسانی عناصر کی تعلیم بھی ممکن نہیں۔

مواد مطالعہ کی نوعیت کا ذکر کرتے وقت اس بات کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ لسانی اور ادبی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کی تعلیم کا مقصد شخصیت سازی بھی ہے، جس کو عام طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اگر زبان کی درسی کتابوں کا سرسری جائزہ لیا جائے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ مواد مطالعہ کا انتخاب کرتے وقت عموماً اس کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زبان کی درسی کتاب کے ذریعے بہت سے منفی رجحانات کی داغ بیل پڑ جاتی ہے، اور ذات پات، چھوا چھات، نسلی برتری اور علاقائی عصبیت کے رجحانات پرورش پانے لگتے ہیں۔ کوئی نظم، غزل یا کہانی ادبی اعتبار سے بہت سی خوبیوں کی حامل ہو سکتی ہے، لیکن اس کا امکان ہے کہ تعقلی، سائنسی اور سماجی اقدار اور تصوّرات کے لحاظ سے وہ منفی رجحانات کی حامل ہو۔ چنانچہ ایسے ادب پاروں کے مطالعے سے طالب علموں میں پست ہمتی اور شکست خوردگی، عصبیت اور جارحیت کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے، جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں حوصلہ اور امنگ، رواداری اور ہمدردی پیدا کی جائے۔ پھر یہ کہ ہمارا ملک ایک سیکولر اور جمہوری ملک ہے۔ اس میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ اردو زبان و ادب کا خمیر خصوصی طور سے اسی تہذیبی رنگا رنگی کا مظہر ہے۔ اس لیے زبان و ادب کے مطالعے سے طالب علموں میں قومی ہم آہنگی اور علاقائی مفاہمت کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے۔

انتخاب مواد زبان کی درسی کتاب کے لیے مواد کا انتخاب کرتے وقت ضروری ہے کہ لسانی اور ادبی دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھا جائے، اس لیے کہ لسانی اور تصوّراتی دونوں قسم کا مواد عام طور سے درسی کتاب میں شامل کیا جاتا ہے۔ زبان اور خاص طور سے مادری زبان کا تصوّراتی مواد روزمرہ کی زندگی، تہذیب و تمدّن اور ادبی ورثے سے حاصل ہوتا ہے لیکن دیگر مضامین سے بھی اس مواد کی فراہمی کی جاتی ہے۔ لہٰذا مواد مطالعہ کے وقت مصنّف اور مؤلف کو تہذیبی ماخذوں کے علاوہ سماجی اور طبعی علوم سے بھی استفادہ کرنا ہوگا۔ جہاں تک لسانی مواد کا تعلق ہے، اس کی نوعیت بہت ہمہ گیر ہوتی ہے، جس پر پوری طرح قدرت حاصل کرنا عام طور پر بہت مشکل ہوتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ

مادری زبان کا بولنے والا زندگی بھر کوشش کرنے کے باوجود مکمل لفظیات پر قدرت نہیں کر سکتا اس کے مقابلے میں تصوراتی مواد کا حلقہ محدود ہوتا ہے۔ اور بڑی حد تک متعین بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا مصنف یا مولف کو اپنی نجی رائے ظاہر کرنے میں بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اس کے مقابلے میں دیگر مضامین کی درسی کتب اور امدادی کتب کے مصنفین کو بڑی حد تک آزادی ہوتی ہے۔

زبان کی درسی کتاب کی تیاری میں اس امر کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مواد کو تدریسی تکنیک سے اچھی طرح لیس کیا جائے۔ مثلاً سبق کے آخر میں موزوں سوالات اور مشقیں دینی چاہییں، سبق کو مناسب توضیحات سے آراستہ کرنا چاہیے۔ اگر تدریسی تکنیک کو درسی کتب کا جزو نہ بنایا جائے، تو مواد اور تکنیک میں خوشگوار توازن پیدا کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا زبان کی ایک عمدہ درسی کتاب میں مواد کی جامعیت کے ساتھ ساتھ تدریسی مقاصد اور تدریسی تکنیک کو بھی اہمیت دینی چاہیے۔

زبان کی درسی کتاب کی تیاری کے سلسلے میں ماہرین تعلیم کی رایوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے بعض کا کہنا ہے کہ زبان کی درسی کتاب تعلیمی ضروریات کے پیش نظر تصنیف کرنی چاہیے، اور بعض کا کہنا ہے کہ زبان کی درسی کتاب تالیف کرنی چاہیے۔ جو لوگ تصنیف کے حامی ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ بچوں کو چونکہ زبان دانی کی تعلیم دینا مقصود ہوتا ہے، اس لیے تعلیمی ضروریات کے پیش نظر ذخیرۂ الفاظ کا تعین کرنا چاہیے اور اسی اصول کے پیش نظر مواد کو بھی ترتیب دینا چاہیے۔ جہاں تک ابتدائی منزل کی تعلیم کا تعلق ہے، یہ بات بڑی حد تک درست ہے، اس لیے کہ اس منزل پر زبان کی تعلیم کا مقصد زبان کی بنیادی مہارتیں سکھانا ہے لیکن، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی منزل پر چونکہ زبان کے ساتھ ساتھ ادب کی تعلیم بھی مقصود ہوتی ہے، اس لیے لسانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ادبی و جمالیاتی پہلوؤں پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر یہ لازمی امر ہے کہ شعر و ادب کے نمائندہ نمونے منتخب کیے جائیں۔ اور ان کے ذریعے لسانی پہلوؤں کی بھی مشق اور توسیع جاری رہے۔

تالیف کے مسئلے پر اختلاف رائے ہے۔ بعض لوگ مکمل تالیف کے حق میں ہیں۔ ان کے خیال میں ثانوی منزل پر درسی کتاب اقتباسات کا مجموعہ نہیں ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مشاہیر ادب نے کتابیں لکھی ہیں۔ اقتباسات نہیں لکھے ہیں۔ لہٰذا ان کی طرز نگارش کا اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب کہ پوری کتاب پڑھنے کو دل چاہے۔ اقتباسات کی کتاب پر زبان و ادب کی کتاب کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لیکن زبان کی تعلیم کا وقت دیگر مضامین کی طرح چونکہ محدود ہوتا ہے، اور تمام اصناف ادب سے متعارف کرانا چونکہ مقصود ہوتا ہے، اس لیے مکمل کتابیں پڑھنے کے لیے نہیں دی جا سکتیں۔ لہٰذا زبان کی

درسی کتاب کی تالیف ناگزیر ہے۔ البتہ اس اعتراض کو بڑی حد تک اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ طویل اقتباسات دیے جائیں تاکہ نمائندہ اسلوب کے نمونے طلبا کے سامنے آجائیں۔

تصنیف و تالیف کے ہی ضمن میں یہ بحث چھیڑی جا سکتی ہے کہ لسانی مواد کو ترجیح دی جائے یا تصوراتی مواد کو۔ اگر ہم ثانوی تعلیم کے اغراض و مقاصد پر غور کریں تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس منزل پر طلبا کو شعر و ادب سے متعارف کرانا اور ادبی و جمالیاتی قدروں کو فروغ دینا مقصود ہوتا ہے۔ البتہ اسی کے ساتھ ساتھ لسانی مہارتوں کی توسیع کا کام جاری رہے گا۔ لہٰذا ثانوی سطح پر درسی کتاب کی تیاری میں تصنیف کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی، بلکہ کلیتاً یہ کام تالیف پر مشتمل ہوگا۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ تالیف میں کاوش سے کام لیا جائے، اور ایسے اقتباسات منتخب کیے جائیں، جن سے مصنف کے اسلوب بیان کی صحیح نمائندگی ہوتی ہو۔ اقتباسات میں ماخذ کا حوالہ ضرور دینا چاہیے۔ مثال کے طور پر یہ طریقہ مناسب نہیں کہ.... "گلزارِ نسیم" سے اقتباس لیا جائے اور شاعر کا نام لکھ دیا جائے۔ "باغ و بہار" سے کوئی اقتباس لیا جائے اور نیچے لکھ دیا جائے ("میر امن")۔ مناسب یہ ہوگا کہ جس کتاب سے اقتباس منتخب کیا گیا ہے، اس کا حوالہ دے دیا جائے تاکہ طالب علم اگر چاہے، تو خود ماخذ تک رسائی حاصل کر لے۔

انتخاب کے ضمن میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کس قسم کا مواد اور کتنا مواد زبان کی درسی کتاب میں شامل کیا جائے۔ یہ کام بھی ایک فن ہے، جس میں انتخاب، سلسلہ، تدریج اور ترتیب و پیش کش کا سلیقہ درکار ہوتا ہے۔ اوّل الذکر دو باتوں کا تعلق مواد سے ہے اور آخر الذکر کا تعلق متن، مشق، توضیحات اور دیگر تعلیمی پہلوؤں سے ہے۔ انتخاب مواد کے وقت تنوع، طلبا کی ضروریات اور دلچسپیوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ثانوی منزل پر عام طور سے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علاحدہ مدرسے ہوتے ہیں، اور چونکہ ان کی دلچسپیوں میں فرق ہوتا ہے، اس لیے بعض ماہرینِ تعلیم کا کہنا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ درسی کتب تیار کی جائیں۔ لیکن یہ بات مناسب نہیں معلوم ہوتی، اس لیے کہ زبان کی تدریس کے مقاصد تو دونوں کے لیے ایک سے ہیں۔ البتہ جنس کے فرق کی بنیاد پر ضروریات اور دلچسپیوں میں فرق ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اسباق کا انتخاب کرتے وقت ان کی دلچسپیوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

دوسرا مسئلہ کہ کتنا مواد درسی کتاب میں شامل کیا جائے، اس بات سے تعلق رکھتا ہے کہ کسی خصوصی درجے میں زبان کے لیے ٹائم ٹیبل میں کتنا وقت فراہم کیا گیا ہے۔ اسباق کی تقسیم کا مسئلہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ درسی کتاب میں نظم کا حصہ کتنا ہو اور نثر کا کتنا، اس کا فیصلہ بھی ٹائم ٹیبل کی گنجائش پر ہونا چاہیے۔ 3+2+1 سکیم کے تحت چونکہ ثانوی منزل پر مضامین کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا ہے، اس لیے زبان کی تعلیم کے لیے بھی

ٹائم ٹیبل میں وقت کم رہ گیا ہے۔

تعلیمی نقطۂ نظر سے درسی کتاب کی تیاری میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ شروع میں آسان اسباق اور بتدریج مشکل اسباق کتاب میں شامل کیے جائیں۔ ان اسباق کے درمیان کوئی نہ کوئی معنوی ربط ضرور ہونا چاہیے۔ اس دوران الفاظ کی گنتی اور تعداد بھی اگر پیش نظر رکھی جائے تو مناسب ہو۔

مشقی سوالات زبان کی درسی کتاب میں مشقی سوالات کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ لہٰذا مشقی سوالات کی تیاری میں مواد کی نوعیت، تدریسی مقاصد، طالب علم کی صلاحیت اور تدریسی تکنیک کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ مشقیں ترتیب و پیش کش کا ایک ضروری حصہ ہیں۔ مشقی سوالات کے ذریعے اس بات کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کہ سبق سے متعلق تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا جائے۔ لیکن اہم نکتے ضرور اس کے اندر شامل کرنے چاہئیں۔ مشقی سوالات کے ذریعے لسانی اور ادبی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ معلوماتی قسم کے سوالات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مشق میں زیادہ سے زیادہ ایسے سوالات شامل کرنے چاہئیں جن سے طالب علم میں فکر انگیزی کی ترغیب ہو، اور تفہیم اور تحسین کا شعور پیدا ہو۔ سوالات کی نوعیت میں تنوع پیدا کیا جائے تو بہتر ہو۔ مختصر جواب اور معروضی قسم کے سوالات بھی مشقوں میں شامل کرنے چاہئیں۔

یوں تو توضیحات بھی درسی کتب کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن توضیحات کی اہمیت ابتدائی درجات کی درسی کتب کے لیے زیادہ ہے۔ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر اس کی اہمیت بہت کم ہے اس لیے کہ اس منزل پر طلبا سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ عبارت کے لسانی اور تصوراتی پہلوؤں پر غور کریں گے۔ لیکن اگر کوئی ایسی تصویر یا منظر کتاب میں شامل کر لیا جائے جو جمالیاتی ذوق کو بیدار کر سکے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

درسی کتب میں پیش لفظ کے طور پر کچھ عام ملحوظات ضرور شامل کرنے چاہئیں۔ ان ملحوظات سے استاد اور شاگرد دونوں استفادہ کر سکتے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو اساتذہ کے لیے ضروری ہدایات بھی درج کر دی جائیں۔

ظاہری پہلو اس بات کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے کہ کتاب کا ظاہری پہلو اسی حد تک اہم ہے جس حد تک کہ وہ تعلیمی استفادے میں معاون ہو۔ اس کی رو سے کتاب کا ڈیزائن دلکش ہونا چاہیے، اور درجے کی مناسبت سے اس کا انتخاب کرنا چاہیے۔ کتاب کے سائز کے تعین میں بنیادی طور سے اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ طلبہ کتاب کو سہولت کے ساتھ استعمال کر سکیں۔ کتاب کی جلد مضبوط اور جزبندی کے ساتھ ہونی چاہیے تاکہ کتاب کو کھلی رکھنے میں طالب علم کو کوئی دشواری نہ ہو۔

کتاب کا سرورق دیدہ زیب ہونا چاہیے۔ کاغذ سفید اور موٹا ہو، ورنہ چھپائی کا عکس دوسری جانب نظر آئے گا۔

کیوں کہ اس کا انکھوں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح کتاب کے ٹائپ کا سائز یا حروف کا سائز مناسب رکھنا چاہیے۔ اور چھپائی صاف اور صحیح ہونی چاہیے۔ درسی کتاب کی قیمت معقول ہونی چاہیئے تاکہ طالب علم سہولت کے ساتھ خرید سکے۔

درسی کتب کا اندازہ قدر زبان کی درسی کتاب کی تیاری کے سلسلے میں اندازۂ قدر کا ذکر ضروری ہے۔ یعنی کن بنیادوں پر زبان کی درسی کتب کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جائے۔

عام طور پر اِس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کتاب کا مسودہ تیار ہونے کے بعد کسی ماہر یا ماہرین کی کسی کمیٹی کے ذریعے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے، اور ان کی سفارشات کی بنیاد پر نقائص دور کر لیے جاتے ہیں تاکہ چھپنے کے بعد کتاب ان عیوب سے پاک ہو۔

اندازۂ قدر اور پیمائش میں فرق ہے۔ اندازۂ قدر میں کیفیتی اور پیمائش میں کمیتی قدر و قیمت کا بیان ہوتا ہے۔ لہٰذا اندازۂ قدر کو پیمائش سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ اور درسی کتاب کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لیے اندازۂ قدر کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ عام دستور کے مطابق درسی کتب کی خوبی یا خامی کو پرکھنے کے لیے ریویو کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن اندازۂ قدر ریویو سے بھی مختلف طریقۂ عمل ہے۔ اندازۂ قدر میں جانچ کی کسوٹی پہلے سے تیار کر لی جاتی ہے اور اس کی نوعیت معروضی ہوتی ہے، جب کہ ریویو میں اس قسم کی کوئی کسوٹی پیش نظر نہیں رہتی۔

درسی کتب کا اندازۂ قدر حسب ذیل امور پر مشتمل ہے۔

1۔ انتخاب

2۔ اصلاح

3۔ مطالعہ و تحقیق

انتخاب کے لیے جو معیار مقرر کیے گئے ہیں ان کی بنیاد پر کتاب کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ چونکہ مقصد درسی کتاب کی اصلاح کرنا اور اسے بہتر بنانا ہوتا ہے، اس لیے اندازۂ قدر کے ماہرین سے ایسے مشورے طلب کیے جاتے ہیں، جن کی بنیاد پر درسی کتب کو بہتر بنایا جا سکے۔ انتخاب اور اصلاح سے متعلق اندازۂ قدر کے نتائج کی بنیاد پر مطالعے اور تحقیق کا کام شروع ہوتا ہے۔ محقق کا کام یہ ہے کہ وہ درسی کتاب کے ان پہلوؤں کی شناخت کرے جو اندازۂ قدر کے معروضات سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس سلسلے میں جو تحقیقی کام ہوئے ہیں، ان کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ایک عمدہ درسی کتاب میں حسب ذیل خوبیاں ہونی چاہئیں۔

1۔ کتاب اندازہ قدر کے معیار پر پوری اترتی ہو اور جس مقصد کے لیے اس کا انتخاب کیا گیا ہے،

وہ اس سے پورا ہوتا ہو۔

2 ۔ معیار معروضی ہو۔ تاکہ اندازہ قدر کرنے والوں کی شخصی رائے یا پسند و ناپسند کا اس میں دخل نہ ہونے پائے۔

۔ اندازہ قدر قابل اعتبار ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مختلف سطح پر ماہرین کی رائے حاصل کی جائے۔

اندازہ قدر کے کام کو موثر بنانے کے لیے مختلف طریقۂ کار اپنائے جاتے ہیں۔ ان میں پڑتالی فہرست، سوالنامہ اور پروفارما زیادہ اہم ہیں لیکن اندازہ قدر کرنے والوں کو اس بات کی آزادی ہونی چاہیے کہ اپنی سہولت کے مطابق اس میں ضروری ترمیم کرلیں بشرطیکہ معروضیت کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

۱۱

بچّوں کا ادب

عام ملحوظات ایک زمانے میں یہ تصوّر کارفرما تھا کہ بچّہ بالغ کا چھوٹا نمونہ ہوتا ہے۔ اس کی رو سے یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ بالغوں کے ادب کو اگر آسان زبان میں پیش کر دیا جائے تو وہ بچّوں کا ادب کہلائے گا۔ لیکن اب یہ تصوّر باقی نہیں رہا۔ دورِ جدید میں نفسیات کے ماہرین نے یہ خیال پیش کیا ہے کہ بچّہ اور بالغ بنیادی طور پر دو علیحدہ شخصیتیں ہیں، دونوں کی دنیا الگ ہے، دونوں کے مذاق اور تقاضے مختلف ہیں اور دونوں کی پسند و ناپسند میں فرق ہے۔ اس لیے دونوں کا ادب بھی مختلف ہوگا۔

بچّوں کے ادب کی تخلیق بھی ایک فن ہے، جس کے لیے نہ صرف ریاض کی ضرورت ہے۔ بلکہ بچّوں کی فطرت سے آشنا ہونا بھی ضروری ہے۔ بچّے سیماب صفت ہوتے ہیں۔ وہ ہر آن چیزوں کو بدلتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ہر لمحہ جسمانی اور ذہنی عمل کے خواہاں ہوتے ہیں۔ لہٰذا بچّوں کے ادب کی تخلیق کرتے وقت اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اس کا تعلق اگر ایک طرف موضوع یا خیال سے ہے، تو دوسری جانب اسلوب اور طرزِ نگارش سے۔ موضوع کتنا ہی بے جان اور روکھا پھیکا کیوں نہ ہو، اگر پیرایۂ بیان دلچسپ ہے، تو بچّوں میں دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے، بشرطیکہ وہ بچّوں کے ذہن کو متاثر کر سکے اور اس کے پڑھنے سے بچے کو وہ مسرت حاصل ہوتی ہو جس کا وہ متلاشی رہتا ہے۔ اسلوب یا طرزِ بیان کا انتخاب موضوع کی مناسبت سے ہونا چاہیے۔ ایک ہی موضوع مختلف پیرایۂ بیان میں پیش کیا جا سکتا ہے، اور مختلف مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

جس طرح بالغوں کا ادب زندگی سے عبارت ہے اسی طرح بچّوں کے ادب کا مواد بھی روزانہ زندگی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ مواد کی مناسبت سے ہی ادیب خیال کو کسی خاص سانچے میں ڈھالتا ہے۔ ادبی مواد کی عام طور پر دو شکلیں ہوتی ہیں۔ ایک لسانی مواد اور دوسرا تصوّراتی مواد۔ دونوں کے ماخذ الگ الگ ہیں۔ اوّل الذکر کا سرچشمہ تہذیبی ماخذ ہے اور آخر الذکر کا ماخذ مختلف علوم و فنون ہیں۔ لہٰذا

بچّوں کا ادب تصنیف کرتے وقت ان دونوں ماخذوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔

عام تعلیم کے پس منظر میں یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ حالیہ برسوں میں مطالعے کا ستور بڑھا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ محض نصابی کتابوں تک محدود ہے، اور اس کے نتائج بھی تسلی بخش نہیں ہیں۔ اس کا سبب بڑی حد تک یہ ہے کہ بچّوں کے مطالعے میں، جو کتابیں آتی ہیں، یا یوں کہیے جو کتابیں انھیں فراہم کی جاتی ہیں، وہ عموماً بچوں کی تسکین کا باعث نہیں ہوتیں۔ لہٰذا بچّوں کے ادب کو فروغ دینا ہے، تو کتابوں کی زبان اور مواد میں زبردست تبدیلی کرنی ہوگی۔

بچّوں کی کتابیں بچّوں کے عام مطالعے میں آنے والی کتابیں نوعیت کے اعتبار سے تین قسم کی ہوتی ہیں۔ ادب، معلومات اور مشق کی کتابیں۔

ادب کی جو کتابیں بچّوں کے لیے فراہم کی جاتی ہیں، وہ عموماً نثری کہانیوں تک محدود ہوتی ہیں، حالانکہ ادب میں نظم، نثر اور ان کی مختلف اصناف بھی شامل ہیں۔ اچھی نظمیں اور ڈرامے بچّوں کے لیے خصوصی طور پر کشش کا باعث ہوتے ہیں۔ اردو میں بچّوں کے ڈرامے بہت کم لکھے گئے ہیں۔ البتہ حال ہی اس کی جانب کچھ توجہ دی گئی ہے۔

کہانیوں میں بہت تنوع کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچّوں کی دلچسپیاں چونکہ بہت متنوع ہوتی ہیں اس لیے ضروری نہیں کہ تفریحی طور پر پڑھنے کے لیے بچوں کو جو کچھ فراہم کیا جائے، وہ محض افسانوی ادب تک محدود ہو۔ بچّے تاریخی واقعات، سفرنامے، ایجادات اور انکشافات کی کہانیاں بھی اس زمرے میں شامل کی جاسکتی ہیں۔ بچّے ان کتابوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں جن میں انسانی تجربات کا عکس ہو۔ ان کتابوں میں جو داخلی کشش ہوتی ہے، وہی بچّوں کی توجہ مبذول رکھنے کا سبب بنتی ہے۔ حالانکہ شعوری طور پر بچّے اس خصوصیت سے واقف نہیں ہوتے، اور نہ ہی ان کے پیش نظر کوئی خاص مقصد ہوتا ہے۔

بچّوں کے ادب کی دوسری قسم معلومات کی کتابوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ معلومات کی معیاری کتابیں زبان اور بیان دونوں لحاظ سے مشکل ہوتی ہیں۔ دراصل ان کتابوں کے مصنّفین کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچّوں کے لیے ان حقائق کا علم فراہم کیا جائے، جو ان کے تجربات سے باہر ہوں۔ ان کتابوں میں طرزِ نگارش پر خاص طور سے زور دینے کی ضرورت ہے تاکہ ان میں ایسی تازگی پیدا ہو جائے، جو بچّوں کی دلچسپی کا موجب ہو، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ان کتابوں کو پُرکشش بنانے میں کارآمد معلومات کا ذخیرہ بہت کم رہ جاتا ہے۔ کبھی ایسے طریقے اپنائے جاتے ہیں جو کہانی کی کتابوں کے لیے تو موزوں ہیں لیکن معلومات کی کتابوں کے لیے مناسب نہیں۔ معلومات کی بعض کتابیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی حیثیت محض دلچسپ خلاصوں کی

ہوتی ہے۔ یہ کتابیں امتحان کی تیاری کے لیے تو مفید ثابت ہو سکتی ہیں لیکن ان کا مواد کم عمر بچوں کے لیے مضر ہو سکتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ان کتابوں میں تاریخی واقعات کے خلاصے یا غیر ضروری تاریخوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ان میں غیر اہم جغرافیائی معلومات بھی فراہم کر دی جاتی ہیں۔

معلومات کی کتابوں میں آرٹ، دست کاری، تفریحی مشاغل اور عملی کاموں سے متعلق کتابیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہ کتابیں اب بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہیں اور ان کا رواج دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔

تیسری قسم کی کتابیں وہ ہیں جو عام طور پر مشق کی کتابیں کہلاتی ہیں۔ یہ کتابیں تدریس میں معاون ہوتی ہیں۔ اس لیے نصابی کتابوں کے سلسلے میں ان کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا ملحوظات کے پیش نظر جب ہم یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ثانوی مدرسے کے لڑکے اور لڑکیوں کے لیے کس قسم کا ادب فراہم کیا جائے، تو ذہن میں کئی طرح کے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ان بچوں کے لیے کیا ایک ہی قسم کا ادب فراہم کیا جائے؟ کیا ایک ہی موضوع لڑکوں اور لڑکیوں کے دلچسپی کا باعث ہوگا؟ اس قسم کے دوسرے سوالات بھی ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان سوالات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ثانوی منزل کی مختلف سطحوں پر لڑکوں میں نہ صرف عمر کا فرق ہوتا ہے، بلکہ ان کے ذوق میں بھی اختلاف ہوتا ہے، جو عمر کے ساتھ ساتھ بتدریج بدلتا رہتا ہے۔ ان کے درمیان انفرادی فرق بہت نمایاں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ثانوی منزل پر پہنچ کر جنس کا فرق بہت نمایاں ہو جاتا ہے، اور بہ اعتبار جنس طلبا کے تقاضے بدل جاتے ہیں۔

بچوں کی نشوونما کی منزلیں یوں تو ماہرین نفسیات نے بچوں کی نشوونما کی کئی منزلیں بتائی ہیں، لیکن بچوں کے ادب کی مناسبت سے یہاں محض تین منزلوں کا ذکر برمحل ہوگا۔

پہلی منزل سات آٹھ برس کے بچوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس منزل پر بچے پڑھنے لکھنے کی بنیادی مہارتیں سیکھ رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ابھی وہ اس صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں کہ روانی کے ساتھ عبارت پڑھ سکیں، اور کوئی کتاب پڑھ کر عبارت کا مطلب اخذ کر سکیں۔ چنانچہ ان کے لیے کتابیں فراہم کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کتاب کی زبان آسان ہو تاکہ بچے سہولت کے ساتھ پڑھ سکیں۔ کتاب میں رنگین تصویریں کافی ہوں تاکہ بچے دلچسپی لے سکیں اور موضوعات کا انتخاب ان کی فطرت کے مطابق ہو۔ اس عمر میں بچوں کے اندر بے حد تجسس کی کیفیت ہوتی ہے۔ گرد و پیش کی زندگی اور مظاہر فطرت کے مشاہدے سے ان کا تجسس ہمیشہ فعال رہتا ہے، اور مشاہدات سے متعلق ان کے ذہن میں

ہمیشہ سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ بے شمار "کیوں" اور "کیسے"۔ سوالات بچے کے تجسس کو جھنجھوڑا کرتے ہیں۔ ان سب کی تسکین وہ کتابوں سے کر سکتے ہیں۔ خاص طور سے کہانیوں کے ذریعے۔ وہ کبھی ہوا میں پرواز کرتے ہیں، کبھی سمندر میں تیرتے ہیں اور کبھی میدان میں دوڑتے ہیں، کبھی دیس بدیس کے بچوں سے باتیں کرتے ہیں۔ کبھی من گھڑت قصوں میں سچائی ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض، اس عمر کے بچوں کے لیے تخیلی کہانیاں دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں۔ لوک کہانیاں، لوک گیت اور چھوٹی بحر میں بیانیہ نظمیں بھی اس عمر کے بچوں کے لیے موزوں ہوتی ہیں۔ اور ادب میں ہلکی پھلکی بیانیہ نظموں کا اچھا خاصہ ذخیرہ موجود ہے۔ ان میں سے بچوں کے لیے مناسب انتخاب کیا جا سکتا ہے۔

دوسری منزل نو سے گیارہ برس کے بچوں کی ہوتی ہے۔ اس منزل پر بچوں کی طبیعت کا رجحان پہلی منزل کے بچوں سے کسی قدر مختلف ہوتا ہے۔ ان کے مشاغل بھی سابقہ منزل کے بچوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ بیرونی دنیا کی جانب ان کا رویہ بہت فعال ہوتا ہے۔ اس عمر کے بچوں میں مظاہر فطرت کے مطالعے سے گہری دلچسپی ہوتی ہے، اور وہ اسباب و علل کے قوانین کی کارفرمائی کو محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اسی دوران بتدریج ان کے ذہن کی نشوونما ہوتی جاتی ہے۔

اس منزل کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اشخاص میں بچوں کی دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ کیا سوچتے ہیں؟ کیا محسوس کرتے ہیں؟ ان کا رہن سہن کیسا ہے؟ ان کے پسندیدہ طور طریق کیا ہیں؟ غرض، اشخاص اور قوموں کے طریق زندگی میں بچوں کو بہت دلچسپی ہوتی ہے۔ ان موضوعات کو مجلد دیگر اصناف ڈرامے کو بھی موضوع بنایا جا سکتا ہے۔

اس منزل کی بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ بچوں میں رومانی عنصر کارفرما ہوتا ہے۔ اس رومانی عنصر کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ کبھی یہ رومان علوم انسانی مثلاً ادب، تاریخ اور سماجی علوم میں جاذبیت پیدا کرنے کا وسیلہ بنتا ہے، اور کبھی سائنسی علوم میں فطرت کی حیرت انگیزی کا محرک بنتا ہے۔ اس منزل پر مبالغہ اور رنگ آمیزی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ اس اعتبار سے یہ مفید ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے بچے کا دماغ پیش نظر موضوع کی جانب بہت جلد متوجہ ہوتا ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ غیر معمولی چیزوں کو غور سے دیکھنے کے بعد مانوس اشیا کو بھی بغور دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی کتابوں کے ذریعے بچہ اجنبی مقامات اور پرانے زمانے کے لوگوں کی زندگی سے متعلق واقفیت حاصل کر کے خود اپنے بارے میں بہتر علم حاصل کر سکتا ہے۔

تیسری منزل نشوونما کی تیسری منزل عنفوان شباب کی ہوتی ہے۔ یہ بارہ سے لے کر چودہ برس کے لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس منزل پر لڑکوں اور لڑکیوں کو کافی لسانی سہولت حاصل ہو جاتی ہے، ان کا ذخیرۂ الفاظ وسیع ہو جاتا ہے۔ مجرد تصورات کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور اُن کی ذہنی نشوونما اتنی پختہ ہو جاتی ہے کہ متخالف خیالات کو یکجا کر کے وہ مفہوم اخذ کر سکیں۔ ان کے تجربات میں بہت وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور اُن کے اندر اعتمادِ نفس پیدا ہو جاتا ہے۔ اُن کے خیالات اور جذبات میں ٹھہراؤ نظر آنے لگتا ہے۔ اجتماعی وفاداری کا احساس جلوہ گر ہونے لگتا ہے۔ آزادی کی بڑھتی ہوئی خواہش اور زیادہ بیدار ہو جاتی ہے اور جنسی اختلافات رونما ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ اس منزل پر لڑکوں اور لڑکیوں کو مہماتی قصّے، داستان، مشاہیر کے کارنامے، بلند کردار شخصیتوں کے سوانح حیات، تاریخی ناول، جوشیلی نظمیں اور ایسی نظمیں فراہم کرنی چاہیے جن سے ان کے جذبات لطیف کی نشوونما ہو سکے۔

غرض اس منزل تک پہنچتے پہنچتے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ طالب علم میں مطالعے کا ایسا ذوق پیدا ہو جائے کہ وہ مدرسے کی زندگی کے بعد بھی حصول علم اور مطالعے کا سلسلہ جاری رکھے۔ اور اس عادت کو اپنی مزید تعلیم کا ایک موثر ذریعہ بنائے۔

12

تدریس اردو

(غیر اردو داں طلبا کے لیے)

عام ملحوظات مادری زبان کی حیثیت سے اردو کی تدریس سے متعلق ضروری پہلوؤں پر گزشتہ ابواب میں سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے۔ یہاں اس بات پر غور کیا جائے گا کہ غیر اردو داں طلبا کو اردو کیسے پڑھائی جائے۔ مادری زبان اور غیر مادری زبان کی نوعیت میں چونکہ کافی فرق ہوتا ہے، اس لیے طریقۂ تدریس میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ مادری زبان سیکھنے کے لیے بچے کو شعوری طور پر کوشش نہیں کرنی پڑتی، بلکہ وہ خود بخود اپنے ماحول سے زبان سیکھ لیتا ہے۔ لیکن غیر مادری زبان سیکھنے کے لیے جہاں ایک طرف نئی لسانی عادتیں پیدا کرنی ہوتی ہیں، وہاں دوسری جانب مادری زبان کی بعض پختہ لسانی عادتوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ کام کتنا آسان ہے اور کتنا مشکل، اس کا فیصلہ اس بات سے ہونا چاہیے کہ غیر زبان سیکھنے سے ہماری کیا مراد ہے، اور کس مقصد کے تحت ہم زبان سیکھنا چاہتے ہیں۔ گویا، معیار اور مقصد دو بنیادی باتیں ہیں جن کا تعین ضروری ہے۔

غیر اردو داں طلبا کی مخصوص مادری زبان کی نوعیت کے اعتبار سے تدریس اردو کے مقاصد جدا جدا ہوں گے۔ لہٰذا ان جداگانہ مقاصد کے حصول کے لیے طریقۂ تدریس تجویز کرتے وقت تدریس اردو سے متعلق ہمیں تین نہج پر غور کرنا ہوگا۔

۱۔ ہندی داں کو اردو پڑھانا ہندی کے علاقے میں عام طور پر بول چال کی زبان مشترک ہوتی ہے، جو ہندستانی کے نام سے بولی اور سمجھی جاتی ہے، لہٰذا ان لوگوں کو جن کی مادری زبان ہندی ہے اردو بولنا سکھانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ انھیں تو رسم خط سکھانا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ لکھنا اور پڑھنا سیکھ جائیں لیکن اگر مقصد اس سے بلند ہے، تو لکھنا پڑھنا سکھانے کے ساتھ ساتھ اردو ادب سے بھی روشناس کرانا ہوگا۔ یعنی لسانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ تہذیبی اور معاشرتی فضا سے بھی روشناس کرانا ضروری ہے، تاکہ اردو شعر و ادب سے لطف اٹھایا جا سکے اور زندگی کی اعلیٰ قدروں کی بصیرت حاصل کی جا سکے۔

۲۔ غیر ہندی داں کو اردو پڑھانا اس میں وہ لوگ شامل ہوں گے جن کی مادری زبان نہ تو اردو ہے اور نہ ہندی لیکن وہ ہندوستانی زبان سمجھ سکتے ہیں۔ یہ لوگ ہندوستانی الفاظ سے آشنا ہوتے ہیں لیکن خود ہندوستانی بول نہیں سکتے۔ ہمارے ملک میں ایسی کئی ریاستیں ہیں، جہاں یہ صورت حال پائی جاتی ہے، ان علاقوں میں اردو سیکھنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ قومی ہم آہنگی کے پیش نظر اس رجحان کو فروغ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ذہنی اور جذباتی طور پر ملک کے مختلف علاقوں کے لوگ ایک دوسرے سے قریب آسکیں۔ لہٰذا غیر ہندی داں کو اردو پڑھاتے وقت اس پہلو کو خصوصیت کے ساتھ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۳۔ بیرونی زبان کی حیثیت سے اردو پڑھانا اردو سے غیر ملکیوں کی دلچسپی نئی نہیں ہے۔ اگر ہم ہندوستان کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے بعد سے ہی انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اردو سے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار شروع کر دیا تھا۔ بعض نے تجارتی، بعض نے سیاسی اور بعض نے محض علمی مقاصد کے پیش نظر اردو زبان سیکھنے کی کوشش کی اور بعض مستشرقین کو اس زبان کے اندر اتنی کشش نظر آئی کہ انھوں نے زبان کے ساتھ ساتھ ادب میں بھی دلچسپی لی اور شعر و ادب کے ذریعے ہندوستانی تہذیب و تمدن اور ہندوستانی مزاج کی رنگا رنگی کا گہرا مطالعہ کیا۔

موجودہ دور میں زبان سیکھنے کے محرکات بدل گئے ہیں۔ اب لوگوں میں نئی زبانیں سیکھنے اور نئی تہذیبوں سے واقفیت پیدا کرنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، اور بین الاقوامی تعلقات کی اہمیت کا احساس روز بروز مستحکم ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ غیر ملکی طلبا کو اردو پڑھانے کے کام میں بڑی وسعت پیدا ہو گئی ہے، اور نت نئے تجربات کیے جا رہے ہیں۔

غرض، غیر اردو داں کو تین قسم کی اردو پڑھانے کے لیے مواد، سامانِ تعلیم اور طریقۂ تدریس فراہم کرنا ہوگا۔ اس باب میں چونکہ طریقۂ تدریس زیر بحث ہے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ ان مسائل کا ذکر کیا جائے گا جو طریقۂ تدریس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں لسانیات کا ذکر بھی برمحل ہوگا اس لیے کہ گزشتہ چند دہوں سے لسانیات کو زبان سکھانے کی ایک سائنس کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ غیر اردو داں کو اردو لکھنا اور پڑھنا سکھانے میں لسانیات کس حد تک معاون ثابت ہوتی ہے۔

تدریسِ زبان میں لسانیات کی اہمیت لسانیات کا اولین منصب زبان سے متعلق ایسے نظریات فراہم کرنا ہے، جن پر عمل کرنے سے زبان سیکھنے کا کام

دلچسپ ہو جاتا ہے لیکن مادری زبان کے سلسلے میں یہ دعویٰ مشکوک نظر آتا ہے۔ اس لیے کہ مادری زبان نہ تو بچہ لسانیات کی مدد سے سیکھتا ہے اور نہ گھر کی۔ بلکہ اپنے قریبی ماحول اور سماج سے وہ زبان سیکھتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس کی زبان کی نشوونما ہوتی رہتی ہے۔ پھر وہ مدرسے میں داخل ہوتا ہے تو اس کی لسانی عادتیں مستحکم ہوتی رہتی ہیں اور ان میں توسیع کا عمل بھی جاری رہتا ہے۔ غرض زبان کی نشوونما میں مدرسہ اور خصوصیت کے ساتھ استاد کی شخصیت اور اس کا تربیتی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ لسانیات کے ماہرین نے بھی اس ضمن میں لسانیات کی اہمیت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا ہے خود چامسکی کو بھی جو لسانیات کے ایک مستند عالم ہیں اس بات میں شک ہے کہ زبان کی تدریس میں لسانیات کوئی اہم رول ادا کر سکتی ہے اور اس کے ذریعے وہ بصیرت پیدا کی جا سکتی ہے، جو زبان سیکھنے میں معاون ہو۔

زبان جاننا اور زبان کے بارے میں جاننا دو مختلف باتیں ہیں۔ زبان کی تدریس میں آخر الذکر سے مدد ملتی ہے۔ اگر عمومی حیثیت سے اس مسئلے پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی زبان تو ہر شخص جانتا ہے۔ لیکن زبان کے بارے میں جاننا اس کے لیے قطعی ضروری نہیں۔ لسانیات کی مدد سے زبان کے بارے میں علم فراہم ہوتا ہے۔ زبان کی ساخت، صوتیاتی نظام، آوازوں کی درجہ بندی، مصوتی اور مصمتی ڈھانچے کی تفہیم اور تحریری علامتوں کا علم حاصل ہوتا ہے، اور یہ تمام باتیں زبان کی بنیادی مہارتیں سیکھنے میں بہت مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

دنیا کی ترقی یافتہ اور مہذب قوموں میں ایک سے زیادہ زبان سیکھنے کا رجحان بہت تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ اسی لیے ایسے اصول و ضوابط منضبط کرنے کی کوشش جاری ہے، جن سے زبان کی تعلیم کا مسئلہ آسان سے آسان اور دلچسپ سے دلچسپ تر ہو جائے۔ اس سلسلے میں لسانیات کا علم استاد کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے غیر اردو داں کو اردو پڑھنا اور لکھنا سکھانے میں لسانیات کا مطالعہ سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔

طریقۂ تدریس غیر اردو داں کو اردو پڑھنا اور لکھنا سکھانے کے وہی طریقے اپنائے جا سکتے ہیں جو دیگر غیر ملکی اور ملکی زبانوں کو سکھانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے درج ذیل خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

۱۔ گفتگو کا طریقہ غیر ملکی زبان کے طور پر اردو پڑھانے کا سب سے موثر طریقہ یہ ہے کہ گفتگو اور بات چیت کو وسیلۂ تعلیم بنایا جائے۔ یعنی اس کا آغاز گفتگو سے ہونا چاہیے۔ کسی زبان کو لکھنا پڑھنا سکھانے کا آسان اور سہل طریقہ یہ ہے کہ اس زبان میں بات چیت شروع کی

جائے۔ یعنی پہلے کان الفاظ سے آشنا ہوں، پھر آنکھ۔ یعنی پہلے بولنا پھر پڑھنا اور لکھنا۔ اس طرح الفاظ سے آشنائی، واقفیت، شناخت اور مشق اردو سکھانے کے اہم اقدام ہیں۔ آوازوں سے واقفیت پیدا کراتے وقت اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ اردو کا صوتیاتی نظام چونکہ بہت پیچیدہ ہے، اس لیے مفرد اور مرکب دونوں آوازوں پر اچھی طرح قدرت ہونی چاہیے۔ مادری اور غیر مادری زبان میں مماثلت، اختلاف اور امتیاز سے بھی بخوبی واقفیت پیدا کرانی ضروری ہے۔ اردو زبان میں کئی آوازیں ایسی ہیں جو دوسری زبانوں میں بھی پائی جاتی ہیں، اور بعض آوازیں ایسی ہیں جو طالب علم کی مادری زبان میں نہیں ملتیں۔ ہندی داں طلبا کو اردو پڑھاتے وقت اکثر یہ دشواری پیش آتی ہے۔ مثلاً 'غ' اور 'ف' کی آواز ہندی میں نہیں ملتی۔ اسی طرح اردو میں کئی حروف ایسے ہیں جن کی ادائگی ایک ہی طرح ہوتی ہے مثلاً 'س' اور 'ص'، 'ط' اور 'ت'، 'ض' اور 'ظ'۔ اس دشواری کا آسان حل یہ نظر آتا ہے کہ ان حروف اور ان سے ادا ہونے والی آوازوں کی اچھی طرح مشق کرائی جائے۔ اس طرح زبان کی بنیادی ساخت سے واقفیت پیدا کرانے کے بعد حروف اور الفاظ کی ایسی مشق کرا دینی چاہیے کہ تقریر و تحریر کی بنیادی مہارتوں پر قدرت حاصل ہو جائے۔ یعنی طالب علم میں یہ صلاحیت ہو جائے کہ وہ روانی کے ساتھ بول سکے، کوئی گفتگو سن کر سمجھ سکے اور کوئی تحریر پڑھ کر مطلب اخذ کر سکے۔

گفتگو سکھانے میں ایک بات یہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ فی البدیہہ گفتگو میں غلطی کا کافی امکان ہوتا ہے۔ لہٰذا غلطیوں سے مایوس ہونے کی چنداں ضرورت نہیں، بلکہ مختصر اور مربوط گفتگو کے لیے طلبا کی ہمت افزائی کرنی چاہیے۔ گفتگو کے موضوع، طوالت اور معیار پر کسی قسم کی پابندی نہیں عائد کرنی چاہیے، اور طالب علم کو اس بات کی آزادی بھی ملنی چاہیے کہ اگر دورانِ گفتگو کوئی موزوں لفظ نہیں مل رہا ہے، تو اپنی مادری زبان کا لفظ استعمال کر سکے۔

زبانی اظہارِ خیال کے بعد تحریر کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ زبانی اظہارِ خیال سے چونکہ تحریر کا گہرا تعلق ہوتا ہے، اس لیے اگر گفتگو اور بات چیت کے متن کو لکھوایا جائے، تو مناسب ہوگا۔ بات چیت کی اکائی چونکہ جملہ ہوتی ہے، اس لیے تحریر کا آغاز بھی جملے سے کرانا چاہیے، اور جملوں میں سے الفاظ اور الفاظ سے جملے لکھوانے چاہئیں۔ اردو رسم خط صوتیاتی نظام سے بڑی حد تک ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس لیے رسم خط سکھانے میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس دشواری پر بڑی حد تک تحریری مشقوں سے قابو پایا جا سکتا ہے۔ اصلاح اور مشق کے دوران حروف کے جوڑ، نشست، کرسی، دائرے، نقطے اور شوشے کی جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ نقل نویسی کی مہارت جب اچھی طرح پیدا ہو جائے، تو املا بھی

لکھوانا چاہیے۔ املا لکھوانے کا مناسب طریقہ یہ ہوتا ہے کہ املا کی عبارت پہلے مناسب رفتار سے پڑھ کر سنائی جائے، پھر املا بولا جائے اور اردو رسم الخط میں اس کو لکھا جائے۔ اس دوران اگر کوئی مشکل لفظ آجائے تو اس کے ہجے بتا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح املا نویسی کے دوران اگر املا یا مفہوم سے متعلق کوئی سوال ذہن میں پیدا ہو جائے، تو اس کی بھی تشفی کر دینی چاہیے۔ آخر میں پوری عبارت کسی قدر کم رفتار سے پڑھ کر سنانی چاہیے تاکہ اگر کوئی لفظ چھوٹ گیا ہو، تو اس کو لکھ لیا جائے، یا اگر کوئی لفظ غلط لکھ دیا گیا ہے، تو اس کی اصلاح کر لی جائے۔

املا کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ توجہ کے ساتھ سننے، ذہن میں محفوظ رکھنے اور صحت اور روانی کے ساتھ لکھنے کی مشق کرائی جائے یعنی سماعت، حافظے اور تحریر میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ لیکن غیر زبان کی حیثیت سے اردو سیکھنے والوں کو املا کے ذریعے نئے الفاظ کی شناخت، حروف کے جوڑ اور صحیح ہجے کی مشق کرانے کا بھی بہت اچھا موقع ملتا ہے۔

طریقۂ گفتگو کو اور زیادہ موثر بنانے کے لیے ترجمے کے طریقے سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ اس طرح کہ املا کی عبارت کا زبانی ترجمہ کرایا جائے۔ اس دوران ایسے الفاظ اور جملوں کا مفہوم بھی بتایا جا سکتا ہے، جن کی تفہیم میں دشواری محسوس کی جاتی ہو۔ ترجمے کو محض مشق کے طور پر استعمال کیا جائے، تو مناسب ہوگا۔ مشق کو موثر اور دلچسپ بنانے کے لیے یہ طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے کہ املا کی عبارت کے حوالے کے بغیر دوبارہ اور سہ بارہ زبانی ترجمہ کرایا جائے۔

غیر زبان والے کو گفتگو کی مشق کرانے کا بہترین موقع لسانی لیبارٹری میں ملتا ہے۔ اس کے اندر ایسی ٹیپ کا انتظام ہونا چاہیے، جس میں اہل زبان کی گفتگو ٹیپ کی گئی ہو۔ اس کو سن کر ادائیگی، الفاظ پر قدرت اور لب و لہجے سے شناسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ٹیپ کے استعمال سے شروع شروع میں اکتاہٹ ضرور ہوتی ہے، اس لیے کہ ٹیپ کی گفتگو اور بغیر ٹیپ کی گفتگو میں فرق ہوتا ہے۔ جب آپ کسی شخص سے گفتگو کرتے ہیں، تو اس کے ہاتھ اور چہرے کی حرکات و سکنات سے بھی مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ لیکن ٹیپ کی گفتگو سنتے وقت شخصی عنصر غائب ہوتا ہے۔ اس دشواری کو اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ جہاں مفہوم افہام کرنے میں دقت محسوس ہوتی ہو، وہاں دوبارہ اور سہ بارہ ٹیپ کی گفتگو سنائی جا سکتی ہے۔

گفتگو کی مشق کا ایک اور موثر طریقہ یہ ہے کہ اہل زبان سے رابطہ قائم کیا جائے اور ان سے بات چیت کے دوران اہل زبان کے تلفظ اور لہجے سے آشنائی پیدا کی جائے۔ اہل زبان سے

گفتگو کرتے وقت ایسے لفظ اور جملے اچھی طرح ذہن نشین کرنے چاہئیں، جو بار بار استعمال ہوتے ہوں۔ الفاظ کے مقابلے میں جملے یاد کرنا نسبتاً زیادہ آسان ہوتا ہے، اس لیے کہ جملے بامعنی ہوتے ہیں اور الفاظ چونکہ عبارت کے سیاق و سباق سے علیحدہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے اس لیے انھیں یاد کرنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔

طریقۂ گفتگو غیر ملکیوں کو اردو سکھانے میں بہت کامیاب ثابت ہوتا ہے لیکن محض گفتگو پر اکتفا کرنے سے زبان دانی کا مقصد نہیں حاصل ہو سکتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ساتھ ساتھ پڑھائی کی بھی مشق کرائی جائے۔ پڑھائی کا پروگرام ایسی درسی کتب سے شروع کرنا چاہیے، جو خاص طور سے اسی مقصد کے پیشِ نظر تیار کی گئی ہوں۔ غیر درسی مطالعے کے لیے مواد کا انتخاب کرتے وقت بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اکثر یہ اساتذہ بچوں کا ادب پڑھنے کی صلاح دیتے ہیں، جو مناسب نہیں ہے۔ بچوں اور بڑوں کی نفسیات میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بچوں کا ادب عام طور سے بالغوں کو پسند نہیں آتا، اور نہ ہی بالغوں کا ادب بچوں کو۔ بچوں اور بالغوں کی پسند و ناپسند میں فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا پڑھائی کے لیے مواد کا انتخاب کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

زبان دانی کی مشق کے لیے اخبارات کا مطالعہ بھی مفید ثابت ہوتا ہے لیکن ایک دقت یہ محسوس ہوتی ہے کہ اخبارات کی زبان عصری زندگی سے قریب ہوتے ہوئے بھی کتابوں کی زبان سے کسی قدر مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے اخبارات کے مطالعے سے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو پاتی۔

پڑھنا اور لکھنا سکھانے کے علاوہ اگر ادب سے بھی روشناس کرانا مقصود ہو، تو سب سے پہلے عصری ادب کے ہلکے پھلکے نمونے پڑھنے کے لیے دیے جائیں۔ ادبی نمونوں کا انتخاب کرتے وقت وقائع، محاضرات اور سوانح کو ترجیح دینی چاہیے، بشرطیکہ ان کا تعلق ماضی قریب یا عہدِ حاضر سے ہو۔ سلسلۂ "تعلیم و ترقی" کی مطبوعات چونکہ مکتبہ جامعہ نے خصوصیت کے ساتھ بالغوں کے لیے شائع کی ہیں، اس لیے یہ بہتر موادِ مطالعہ فراہم کر سکتی ہیں۔ ان کتابوں کی تین اہم خصوصیات ہیں۔ اول یہ کہ موضوعات زیادہ تر عصری زندگی سے منتخب کیے گئے ہیں۔ اس لیے بالغوں کی دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ پیرایۂ بیان سادہ، صاف اور براہِ راست ہے، اور سوم یہ کہ طباعت کے لحاظ سے بھی بہتر ہیں۔

۲۔ طریقۂ راست غیر ملکی زبان کی حیثیت سے انگریزی اور دوسری یورپی زبانیں سکھانے کیلیے عام طور پر طریقۂ راست استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اس طریقۂ تدریس کے تحت عمل اور زبانی اظہار ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً کسی غیر ملکی کو اگر طریقۂ راست سے اردو سکھانا مقصود ہو، تو قلم

دکھا کر کہیں گے "یہ قلم ہے" "کتاب دکھا کر" یہ کتاب ہے" اور اسی طرح کے اور جملے یا جسم کے اشاروں کو بتا کر اردو کے الفاظ اور جملوں سے واقفیت پیدا کرائی جا سکتی ہے۔ جب الفاظ اور جملوں کی مشق ہو جائے تو پڑھائی اور لکھائی سے اس کا ارتباط کیا جا سکتا ہے۔ الفاظ سے واقفیت پیدا کرنے کی وجہ سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ پڑھتے وقت الفاظ اور علامتوں کے درمیان مطابقت پیدا کرتے وقت سہولت ہوتی ہے۔

الفاظ اور جملے سیکھنے میں طریقۂ راست سے بہت مدد ملتی ہے، اور موضوع اور لفظ کے براہِ راست ربط سے ٹھوس اشیا اور محسوس افعال کے معنی سمجھائے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح کسی شے اور واقعے کو بھی خیالی ربط دیا جا سکتا ہے لیکن موضوع اور لفظ کے براہِ راست ربط سے مجرد تصورات، جذباتی کیفیات اور پیچیدہ خیالات کو سمجھانا مشکل ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ طریقۂ راست کی افادیت محدود ہے۔

طریقۂ راست میں گفتگو اور پڑھائی کے ساتھ ساتھ لکھائی کا کام بھی شروع کر دیا جاتا ہے۔ لکھائی سکھانے کے لیے بھی طریقۂ راست کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی حروف ابجد کو سلسلہ وار لکھنا سکھایا جاتا ہے۔ حیات اللہ انصاری نے حروف تہجی سکھانے کے لیے مرکب کائی کا طریقہ تجویز کیا ہے، جیسے 'ل' اور ا کے بجائے 'لا'۔ عبدالغفار مدہولی نے بڑے چھوٹے دو خانداتوں میں حروف تہجی کو تقسیم کر کے املا کا گر سمجھایا ہے۔ لیکن ان طریقوں میں یہ خامی ہے کہ بچے بڑے اور مبتدی سب پر ایک ہی نسخہ آزمایا گیا ہے جو مناسب نہیں ہے۔

طریقۂ راست کے حامیوں نے اس کی حمایت میں بڑے بلند بانگ دعوے کیے ہیں لیکن اس کی افادیت محدود ہونے کی وجہ سے بیشتر اساتذہ نے اس طریقے کو ترک کر دیا ہے۔

3۔ ترجمے کا طریقہ مادری زبان کے علاوہ دوسری زبانیں سکھانے کے لیے ترجمے کا طریقہ بھی تجویز کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اس کے ذریعے گفتگو نہیں سیکھی جا سکتی، اور جب تک بات چیت اور گفت و شنید پر قدرت حاصل نہ ہو، پڑھنے اور لکھنے میں بھی دشواری محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ دوسری زبان جاننے والے کو اپنا مفہوم سمجھانے کا یہ نہایت جامع طریقہ ہے۔ ترجمے کے طریقے میں ایک بڑی دشواری یہ محسوس ہوتی ہے کہ ہر لفظ کا مترادف دوسری زبان میں نہیں ملتا۔ پھر یہ کہ ہر زبان کی صرف و نحو مختلف ہوتی ہے۔ اگر ایک زبان کی صرفی خصوصیات دوسری زبان میں موجود نہ ہوں تو ترجمے میں دشواری ہو سکتی ہے۔

ترجمے کے ذریعے زبان سکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے بنیادی جملے کی تشریح کی جائے۔ اگر اس جملے کا تعلق کسی واقعے یا حادثے سے ہے، تو اس کی وضاحت ضرور کرنی چاہیے۔ اس دوران

زبان کی مشکلات کو بھی دور کرنا چاہیے' اور محاورہ' لفظ اور مشکل تراکیب کی بھی تشریح کرنی چاہیے۔ اس طرح بنیادی جملے کا مفہوم سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ استاد اگر اردو سیکھنے والے کی' مادری زبان سے بھی واقف ہو' تو تدریس کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

ترجمے کا طریقہ غیر زباں داں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کا قدیم طریقہ ہے۔ اس میں حروف تہجی' ہجے اور لکھائی پڑھائی پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن تلفظ اور بات چیت پر نسبتاً کم توجہ صرف کی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے کی صلاحیت کے باوجود صحیح تلفظ' لب و لہجہ اور روزمرّہ کی بات چیت کی صلاحیت نہیں پیدا ہو پاتی۔

13

اندازۂ قدر

عام ملحوظات استاد کی ذمّہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ طلبا کی ترقی کا جائزہ لے اور اس بات کا اندازہ لگائے کہ طالب علم کا کون سا پہلو کمزور ہے اور کس کام میں وہ بچھڑا ہوا ہے۔ اس کے پیش نظر وہ موادِ مضمون کی تنظیم نو اور طریقۂ تدریس میں حسب ضرورت اصلاح کرتا رہتا ہے۔

اندازۂ قدر کے تحت محض موادِ مضمون کی جانچ پر زور نہیں دیا جاتا بلکہ وقوفی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ احساسی اور عملی نشوونما کا بھی پتہ لگایا جاتا ہے۔ یعنی اس کی رو سے طلبا کے رویّے، شوق، تصوّرات، تفکّرات اور عادتوں میں تبدیلی کا بھی اندازہ لگانا مقصود ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے اندازۂ قدر کا تصور زیادہ جامع اور بسیط ہے۔ اس کے مقابلے میں امتحان کا تصوّر بہت محدود اور تعلیمی اور نفسیاتی اعتبار سے ناقص بھی ہے۔

اندازۂ قدر کے مقابلے میں پیمائش کا تصور بھی محدود ہے۔ پیمائش میں موادِ مضمون کے کسی ایک پہلو یا مخصوص مہارت یا لیاقت پر زور دیا جاتا ہے، اور اس کا دائرہ محض کمیتی پہلو تک محدود ہوتا ہے جبکہ اندازۂ قدر زیادہ وسیع دائرے کے اندر کیفیتی پہلوؤں کا اندازہ لگانے میں بھی معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔

اندازۂ قدر جن عناصر پر مشتمل ہوتا ہے، ان میں سے بعض کا تعلّق خصوصیت کے ساتھ بہتر آموزش سے ہے۔ اس لیے ذیل میں محض ان عناصر کا ذکر کیا جائے گا جو موثر آموزش میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

موادِ مضمون کا انتخاب زبان کے مضمون کا چونکہ اپنا کوئی مواد نہیں ہوتا۔ اس لیے اردو کے سلسلے میں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ دیگر زبانوں کی طرح اس کا تصوراتی مواد بھی طبیعی، سماجی اور معاشرتی علوم سے حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن مواد کے انتخاب کے لیے کوئی موضوع پہلے سے مقرر نہیں ہوتا، بلکہ بہت کچھ مؤلف یا مصنّف کے صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔ تاہم

اس کا انتخاب کرتے وقت اگر استاد اندازۂ قدر کے نتائج سے استفادہ کرے تو بہتر مواد مضمون کا انتخاب کر سکتا ہے۔ اسی طرح لسانی مواد کا انتخاب بھی ایک خاص ترتیب و نظم کا متقاضی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ذخیرۂ الفاظ اور صنائع بدائع کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ طالب علم میں خود آموزش کی مہارت پیدا ہو سکے۔

تدریسی مقاصد تدریسی مقاصد ان مقاصد کو کہتے ہیں، جن کا حصول سبق کے اختتام پر مقصود ہوتا ہے۔ تدریسی مقاصد کے بہتر تعین سے بہتر آموزش کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ قابل حصول اور عمدہ مقاصد کے تعین میں استاد بخوبی تربیت یافتہ ہو۔

تدریسی مقاصد میں مقاصد کا عمومی حیثیت سے نہیں بلکہ مخصوص طور پر بیان ہوتا ہے۔ یعنی استاد کیا کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے اور طالب علم کیا کچھ سیکھے گا۔ گویا مقاصد کو ایک ایسی شکل میں پیش کیا جاتا ہے جن میں ان مخصوص حقائق، تصورات، مہارتوں اور اصطلاحوں کی صفائی کے ساتھ نشان دہی ہوتی ہے جو طالب علم کو سیکھنا ہیں۔

تدریسی مقاصد دراصل وہ فیصلے ہوتے ہیں، جو سبق کی تدریس سے متعلق کیے جاتے ہیں۔ ان کا تعلق شاگرد اور استاد دونوں سے ہوتا ہے۔ تدریسی مقاصد کے ذریعے استاد اس بات کا تعین کرتا ہے کہ وہ اپنے شاگرد کے علم، اس کی فکر، اس کے احساس اور اس کے کردار میں کس قسم کی تبدیلی لانا چاہتا ہے۔

تدریسی مقاصد کا تعین کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ان میں تمام ممکن مہارتیں، عادتیں اور رویے بیک وقت شامل نہیں کیے جا سکتے۔ بلکہ محض ان باتوں کی تخصیص کی جاتی ہے، جو بہت اہم ہوں۔ اہم اور غیر اہم کے درمیان انتخاب کا مسئلہ کافی نازک ہوتا ہے۔ لیکن استاد کے علاوہ اور کوئی اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ یہ فیصلہ عام طور پر ان اقدار کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جو آسانی سے دیکھی اور پرکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً میر یا غالب پڑھنے کے بعد طالب علم بہتر انسان بن جاتا ہے، اس کا کوئی ٹھوس ثبوت ملنا مشکل ہے لیکن استاد یہ ضرور کر سکتا ہے کہ میر یا غالب پڑھاتے وقت شعری ادب کی تفہیم اور ادبی محاسن کی تحسین پیدا کرائے۔ اور یہی وہ مقصد ہوگا، جو قابل حصول سمجھا جائے گا لیکن۔ یہاں استاد کا نقطۂ نظر بھی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اس کے نزدیک ایک اچھے انسان، عمدہ سماج اور بامعنی علم کا جو تصور ہوتا ہے وہ انتخاب مقاصد میں رہنمائی کرتا ہے۔

تدریسی مقاصد سے سبق کی سمت اور وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً اگر نثر پارے سے متعلق کوئی سبق تیار کرنا ہے، تو اس بات کی وضاحت کر دینی چاہیے کہ اس سے کس بات کا علم مقصود ہے، حصولِ معلومات کا ذریعہ کیا ہوگا اور کسی ادبی شہ پارے کی قدر و قیمت کا تعین کس طرح ہوگا۔ مزید براں ادبی اور لسانی قدروں کے ساتھ ساتھ بالواسطہ طور پر کس قسم کے رجحانات فروغ پا سکتے ہیں۔

آموزشی تجربات عمدہ آموزش اس وقت ہوتی ہے جب طلبا کے آموزشی تجربات، حقیقی تجربات سے ہم آہنگ ہوں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ طالب علم جب کسی تجربے سے دوچار ہوتا ہے، تو وہ اپنے مخصوص ردِعمل کا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح آموزشی تجربات کے ذریعے تعلیمی مقاصد کا حصول ہوتا ہے۔ گویا مقاصد کے صحیح تعین سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آموزشی تجربات کس حد تک کمرۂ جماعت میں موثر ثابت ہوئے اور کس حد تک حصولِ مقصد میں کامیابی ہوئی۔

غرض تدریسی مقاصد، آموزشی تجربات اور اندازۂ قدر کے درمیان ایک گہرا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے، جس کے اندر مقاصد کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

اندازۂ قدر کا زیادہ جامع اور وسیع مفہوم اس بات میں مضمر ہے کہ جانچ کے لیے کس قسم کے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً آزمائش، درجہ پیما، سوال نامہ، انٹرویو، ڈائری، واقعاتی ریکارڈ وغیرہ، یہاں محض آزمائش کے بارے میں قدرے تفصیلی بیان مناسب معلوم ہوتا ہے۔

آزمائش جیسا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، مختلف مقاصد کے پیشِ نظر مختلف قسم کی آزمائشوں کا استعمال ہوتا ہے۔ آزمائش تحریری ہو یا زبانی ہو یا عملی، مخصوص مقاصد کے پیشِ نظر اس کی تشکیل کی جاتی ہے۔ مثلاً ذہانت کی جانچ کے لیے آموزش کی تحصیل اور دشواریوں کا پتہ لگانے کے لیے علاحدہ علاحدہ آزمائشیں استعمال کی جاتی ہیں۔ اسی طرح الگ الگ مضامین میں بھی مختلف قسم کی آزمائشوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ گویا ایک طریقۂ جانچ ہر قسم کے اندازۂ قدر کے لیے موزوں نہیں۔

وقوفی مضامین کے لیے جس قسم کی آزمائشیں استعمال کی جاتی ہیں، اُن کی شکل عام طور سے تحریری ہوتی ہے۔ یعنی چاہے آزمائش موضوعی نوعیت کی ہو چاہے معروضی، کاغذ اور پنسل کا استعمال دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ذریعے زیادہ تر وقوفی پہلوؤں کی جانچ مقصود ہوتی ہے۔ البتہ پڑھائی کی جانچ کے لیے زبانی امتحان کا طریقہ مناسب سمجھا جاتا ہے۔

اندازۂ قدر کے سلسلے میں عام طور سے یہ غلط رجحان کارفرما ہے کہ استاد جو کچھ پڑھائے، فوراً اس کی جانچ کرے اور طالب علم کی ترقی کا اندازہ لگائے۔ در حقیقت طالب علم کے کردار کی تبدیلی کے عمل میں مدت اور تسلسل دونوں کا دخل ہوتا ہے۔ لہٰذا استاد کے لیے یہ بہت مشکل امر ہے کہ کسی ایک آزمائش سے طالب علم کی ترقی کا اندازہ لگائے۔ مزید یہ کہ اندازۂ قدر چونکہ تدریسی عمل کا ایک اہم جزو ہے۔ اس لیے معلم کو آزمائش سے متعلق تازہ ترین اور ضروری معلومات فراہم کرنا ضروری ہے۔

معروضی آزمائش عام طور سے یہ خیال کارفرما ہے کہ معروضی آزمائش کا طریقہ نہایت جدید طریقہ ہے، حالانکہ یہ طریقہ بھی عرصے سے رائج ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ معروضی آزمائش موضوعی امتحان کے مقابلے میں جدید ہے۔ جانچ کا طریقہ معروضی اس لیے کہلاتا ہے کہ اس کے جواب کی صحت کا انحصار کسی شخص کی ذاتی رائے یا پسند و ناپسند پر نہیں ہوتا، بلکہ ہر صورت میں جواب ایک ہی ہوتا ہے، چاہے ممتحن عالم فاضل ہو یا معمولی استعداد کا کوئی استاد۔ اگر جواب ایک سے زاید ہوگا، تو پھر وہ سوال معروضی کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا اور نہ اُسے معروضی جانچ کے پرچے میں شامل کرنا مناسب ہوگا۔

معروضی جانچ، موضوعی جانچ کی ضد ہے۔ موضوعی جانچ میں یہ امکان ہے کہ طالب علم ایران توران کی ہانکے اور اپنے علم و فضل کا جھوٹا رعب جمائے۔ لیکن معروضی جانچ میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی، کیونکہ طالب علم کو ایک مخصوص اور مختصر سا جواب دینا ہوتا ہے یا اُسے دیے ہوئے محدود جوابوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ اس کے اندر طالب علم کتنا ہی زور کیوں نہ مارے، سوال سے ہٹ کر جواب لکھنے اور غیر متعلق باتوں پر اظہارِ خیال کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جوابات کی تعداد محدود ہونے کی وجہ سے طالب علم اصل موضوع سے ہٹ نہیں پاتا۔

معروضی جانچ کے ذریعے طالب علم کے وقوفی پہلوؤں کی جانچ سہولت کے ساتھ کی جا سکتی ہے اور اس بات کا پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ طالب علم مضمون کے بنیادی عناصر کا کتنا علم رکھتا ہے اور واقعات، اصطلاحات اور تصورات سے کس حد تک واقف ہے۔

معروضی آزمائش کا جانچنا آسان ہوتا ہے، حالانکہ اس کی تیاری میں مقابلتاً زیادہ توجہ درکار ہوتی ہے۔ یوں ایک معیار بند آزمائش کی تیاری کسی استاد مضمون کے لیے نہ تو ممکن ہے اور نہ ضروری۔ لیکن اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے استاد کی اپنی تیار کی ہوئی آزمائش بھی ایک عام پرچۂ امتحان کے مقابلے میں زیادہ دیدہ ریزی کا کام ہے۔ اس کے اندر علاوہ سے جواب کی کاپی جانچنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ جانچ کے پرچے ہی پر جوابات لکھ دیے جاتے ہیں۔ اس لیے درجے کے اندر پرچۂ جانچ

کی تقسیم، پرچے کا حل کرنا، پرچے کا جمع کرنا اور جانچنا بہت آسان ہوتا ہے اور اس کے جانچنے میں بھی بہت کم وقت صرف ہوتا ہے۔ بس ایک کنجی تیار کر لیجیے اور اس کی مدد سے تھوڑے ہی وقت میں تمام پرچوں کو جانچ لیجیے۔

معروضی جانچ کے پرچے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے اندر معلومات کی اکائیاں مختصر ہوتی ہیں اور پورے نصاب پر پھیلی ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ سے طالب علم کے ساتھ پورا پورا انصاف ہو پاتا ہے۔ لیکن اس کے اندر طالب علم کو طبع زاد فکر کا موقع نہیں مل پاتا ہے، اس لیے کہ جوابات کی نوعیت بالکل بندھی ٹکی ہوتی ہے۔

معروضی آزمائش پر منجملہ اور اعتراضات کے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اس کے اندر چونکہ ایک ہی جواب پر اتفاق ہونا ضروری ہے، اس لیے بہت سے نزاعی موضوعات مثلاً نظامِ فطرت یا سماجی نظام سے متعلق متنازع فیہ موضوعات اس کے اندر شامل نہیں ہو پاتے۔

زبان و ادب کے ضمن میں معروضی آزمائش خصوصیت کے ساتھ اس اعتبار سے تشنہ رہ جاتی ہے کہ اس کے ذریعے ادب کے جمالیاتی پہلوؤں کی جانچ نہیں ہو پاتی اور نہ ہی انشا کی صلاحیتوں کا اندازہ ہو پاتا ہے اس لیے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی منزل پر معروضی آزمائش کے ساتھ ساتھ مختصر جواب آزمائش کا استعمال بھی ضروری ہے۔

معروضی آزمائش کی افادیت محدود ہونے کے باوجود داخلہ طریقۂ امتحان میں اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کی تیاری کے سلسلے میں اہم اور ضروری باتوں کا ذکر کر دیا جائے۔

مدات کی قسمیں گذشتہ صفحات میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ علاحدہ علاحدہ مقاصد کے پیش نظر سوالات کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا مقاصد اور سوالات کی نوعیت کے فرق کے اعتبار سے اردو کی تحصیلی جانچ کے لیے حسبِ ذیل قسم کے مدات پرچۂ جانچ میں شامل کی جا سکتی ہیں۔ ان کی مثالیں تحصیلی جانچ کے نمونے میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

متبادل جواب مدات یہ سوال کی وہ قسم ہے، جس کے جواب میں طالب علم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ مد میں جس بات کا ذکر کیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط، یا جواب اثبات میں ہے یا نفی میں۔ اس کے تحت جواب کو مقررہ مقام پر ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ کبھی محض صحیح اور کبھی صحیح اور غلط دونوں قسم کی باتیں ظاہر کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔

تعدی انتخاب مدات | اس قسم کی مدات کے تحت پرچہ جانچ میں جو مدات شامل کی جاتی ہیں اُن میں سے ہر ایک کے کئی کئی جوابات دیے ہوتے ہیں جن میں صرف ایک جواب صحیح اور باقی غلط ہوتے ہیں۔ لہٰذا متعدد جوابات میں سے صحیح جواب کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔

مماثل مدات | اس قسم کی مدات میں دو کالموں میں الگ الگ ایک ایک قبیل کی کئی باتیں دی ہوتی ہیں۔ کرنا یہ ہوتا ہے کہ ایک کالم میں دی ہوئی ہر ایک بات کا مماثل دوسرے کالم میں منتخب کرنا پڑتا ہے۔

تکمیلی مدات | اس کے اندر ایسے نامکمل جملے دیے جاتے ہیں، جن میں کوئی ایک لفظ غائب ہوتا ہے۔ لہٰذا جملے کا مفہوم پورا کرنے کے لیے موزوں لفظ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔

تربیت یافتہ اور زیرِ تربیت استاد کے استفادے کے لیے ذیل میں معروضی آزمائش کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے اندر مضمون اردو کی تعلیمی ضرورت کے پیشِ نظر مدات کی تشکیل میں کسی قدر ترمیم و اضافے سے بھی کام لیا گیا ہے، اور اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ مذکورہ بالا مدات کے عام نمونے اس کے اندر شامل کر لیے جائیں۔

تحصیلی جانچ کا نمونہ :۔

1 :۔ درج ذیل الفاظ میں سے بعض کا املا صحیح اور بعض کا غلط ہے۔ ان میں سے جن الفاظ کا املا آپ صحیح سمجھتے ہوں، اُن کے سامنے دی ہوئی خالی جگہ پر (✓) کا نشان بنا دیجیے۔

1 نفرت (   )
نفرط (   )
2۔ وطن (   )
وتن (   )
3۔ ذلست (   )
زیست (   )
4 مہک (   )
مہک (   )

5- سرسراہٹ ( )

صرصراہٹ ( )

6- ذرہ ( )

زرہ ( )

7- قلعہ ( )

قلہ ( )

8- سراحت ( )

صراحت ( )

9- وراحت ( )

وضاحت ( )

10- نسیب ( )

نصیب ( )

ب - نیچے دیے ہوئے جملوں میں الفاظ کی ترتیب صحیح نہیں ہے۔ ان الفاظ کی ترتیب اس طرح درست کیجیے کہ ہر جملے کا مفہوم واضح ہو جائے۔ درست شدہ جملے، جملوں کے نیچے دی ہوئی نقطہ دار سطر پر لکھ دیجیے۔

1- آپ نے کتاب پڑھی تھی کیا؟

.....؟

2- کاٹنے سے کتے کے سب کو ڈر لگتا ہے۔

.....

3- وہ نیا دہلی سے اسکوٹر لایا۔

.....

4- لوگوں نے کچھ پولیس میں رپورٹ لکھوائی۔

.....

5- عبدالحق صاحب مولانا بابائے اردو کا انتقال ہوا پاکستان میں۔

.....

ج:- ذیل میں چار طرح سے پرنسپل کا پتہ لکھا گیا ہے۔ ان میں سے صرف ایک طریقہ مناسب ہے اور باقی نامناسب۔ مناسب طریقے کے سامنے دیے ہوئے قوسین میں (✓) کا نشان لگا دیجیے۔

1. بحضور فیض گنجور جناب پرنسپل صاحب
جامعہ ہائر سیکنڈری اسکول
جامعہ نگر۔ نئی دہلی۔ ( )

2. جناب زین العابدین صاحب
جامعہ ہائر سیکنڈری اسکول
جامعہ نگر۔ نئی دہلی ( )

3. بخدمت جناب پرنسپل صاحب
جامعہ ہائر سیکنڈری اسکول
جامعہ نگر۔ نئی دہلی۔ ( )

4. بمقام دہلی
ڈاکخانہ۔ جامعہ نگر
پرنسپل صاحب جامعہ ہائر سیکنڈری اسکول ( )

ذیل میں کچھ الفاظ اور ان کے چار چار معنی دیے ہوئے ہیں، ان میں سے صرف ایک معنی صحیح اور باقی تین غلط ہیں۔ الفاظ کے دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ میں صحیح معنی کا نمبر لکھ دیجیے۔

لفظ	معنی 1	2	3	4
1- (.....) کفالت	روزی کمانا	خراب کرنا	خرچہ برداشت کرنا	بخل سے کام لینا
2- (.....) سخاوت	نرمی	مروت	سختی	فیاضی
3- (.....) جستجو	حریف	تلاش	حقیقت	کوشش
4- (.....) گریزاں	پریشان	متنفر	رنجیدہ	خوف زدہ

5-(.....) حسد جگر بہادر جسم کمزور

6-(.....) عرش بلند عرض آسمان بام

7-(.....) اجتناب پردہ پرہیز دوستی عاجزی

8-(.....) استحکام قائم دائم مضبوطی مربوط

9-(.....) نزاع جھگڑا فیصلہ انصاف رحم دلی

10-(.....) ثروت عیش دولت محبت فارغ البالی

ذیل میں کچھ سوالات اور ان کے چار چار جوابات دیے ہیں ان میں سے ایک جواب صحیح اور باقی تین غلط ہیں۔ صحیح جواب کے دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر (س) کا نشان بنا دیجیے۔

1۔ حالی نے مناجات بیوہ کس شکل میں لکھی ہے؟

( ) کہانی کی شکل میں

( ) ڈرامے کی شکل میں

( ) نثر کی شکل میں

( ) نظم کی شکل میں

2۔ حسرت موہانی کس صنف سخن میں شہرت رکھتے تھے؟

( ) مرثیہ

( ) نظم

( ) غزل

( ) رباعی

3۔ پطرس کس اسلوب پر قدرت رکھتے تھے؟

( ) مضمون نگاری

( ) مزاح نگاری

( ) سوانح نگاری

( ) مکتوب نگاری

4۔ جدید اردو نثر کے معماروں میں مرکزی حیثیت کس کو حاصل ہے؟

( ) پریم چند

(   ) مہدی افادی

(   ) سرسید

(   ) شبلی

5 - اندھوں میں کانا راجہ کا کیا مطلب ہے ؟

(   ) ایک آنکھ والا راجا

(   ) اندھوں کا راجا

(   ) کم قابلیت والا

(   ) شیخی باز

6 "لکیر کا فقیر" سے کیا مطلب ہے ؟

(   ) لکیر کھینچ کر بیٹھنے والا

(   ) لکیر پر بھاگنے والا آدمی

(   ) بندھا ٹکا کام کرنے والا آدمی

(   ) اپنی دھن میں رہنے والا آدمی

7 - آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہونے' کا کیا مطلب ہے ؟

(   ) آٹے دال کی قیمت کا پتہ لگنا

(   ) دشواری کا اندازہ ہونا

(   ) روزی کمانا

(   ) روزگار کی تلاش کرنا

8 'پیامِ تعلیم' کیا ہے ؟

(   ) بچوں کا رسالہ

(   ) کہانیوں کی کتاب

(   ) بچوں کی نظمیں

(   ) بچوں کے لطیفے

9 - سحرالبیان" کس کی لکھی ہوئی کتاب ہے ؟

(   ) میر

( ) میر حسن
( ) دیا شنکر نسیم
( ) اکبر الہ آبادی

10 ۔ علی گڑھ تحریک کس نے شروع کی؟

( ) شبلی نعمانی
( ) حالی
( ) سرسید
( ) نیاز فتحپوری

ذیل میں چند نامکمل جملے اور اُن کے سامنے قوسین میں تین تین الفاظ دیے ہوئے ہیں ۔ ان میں سے کوئی ایک لفظ جملے کی تکمیل کے لیے موزوں ہے ۔ موزوں لفظ خط کشیدہ جگہ پر لکھ دیجیے۔

جملہ	لفظ (1)	(2)	(3)
1۔ پتھر کاٹنے والے کو ——— کہتے ہیں۔	(لوہار	برھئی	سنگ تراش)
2 ۔ نقب لگانے والے کو ——— کہتے ہیں۔	(مستری	نقیب زن	نقیب)
3 ۔ تصویر بنانے والے کو ——— کہتے ہیں۔	(مصوّر	مغنی	جسم ساز)
4 ۔ تصنیف کرنے والے کو ——— کہتے ہیں۔	(مؤلف	مصنف	مرتب)
5 تقریر کرنے والے کو ——— کہتے ہیں۔	(موقّر	قاری	مقرّر)

(د) ۔ نیچے کالم (ا) میں چند الفاظ جو واحد ہیں دیے ہوئے ہیں اور کالم (ب) میں اُن کی جمع دی ہوئی ہے۔ صحیح جمع کا نمبر دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر لکھ دیجیے۔

کالم (ا)	کالم (ب)
(ا) ( ) عبد	1 ۔ تصادیر
(ب) ( ) ملک	2 ۔ مقلّد
(ج) ( ) تحقیق	3 ۔ مصوّر
(د) ( ) تصویر	4 ۔ عباد
(ہ) ( ) تقریر	5 ۔ ممالک
	6 ۔ تحقیقات

(۵) ذیل میں کچھ نامکمل جملے دیے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے قوسین میں تین تین لفظ دیے ہوئے ہیں، اُن میں سے ایسے لفظ کی شناخت کر کے خالی جگہ پر لکھ دیجیے جس سے جملے کا مفہوم واضح ہو جائے۔

۱۔ علم زبان کا موضوع ——— ہے۔ (بیان، زبان، خیال)

۲۔ بے زبان جانوروں پر ——— نہ کرو۔ (ظلم، رحم، کرم)

۳۔ آدمی کو حیوان ——— کہا جاتا ہے۔ (فانع، ناطق، ناطق)

۴۔ ارتباط باہمی کی وجہ سے اُن کی ——— نمایاں ہوتی ہے۔ (مغائرت، محبت، مسرت)

۵۔ دوسری ——— یہ ہے کہ ہندوستان کے عوام ان پڑھ ہیں۔ (صورت، قباحت، حالت)

تعددی انتخاب مدات کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک اور شکل کا نمونہ نیچے دیا جاتا ہے۔ نیچے نثر کی ایک عبارت دی ہوئی ہے۔ اس عبارت سے متعلق چند سوالات اور اُن کے چار چار جوابات دیے ہوئے ہیں۔ عبارت کو غور سے پڑھ کر صحیح جواب کا نمبر دائیں طرف دی ہوئی خالی جگہ پر لکھ دیجیے

"موسم بہار میں ادھر گلاب کھلا، ادھر بلبلِ ہزار داستاں اس کی ٹہنی پر بیٹھی نظر آئی۔ بلبل فقط پھول کی ٹہنی پر ہی نہیں بلکہ گھر گھر درختوں پر بولتی ہے اور چہچہے کرتی ہے، اور گلاب کی ٹہنی پر تو یہ عالم ہوتا ہے کہ بولتی ہے، بولتی ہے، بولتی ہے اور حد سے زیادہ مست ہو جاتی ہے، تو پھول پر منہ رکھ دیتی ہے اور آنکھیں بند کر کے زمزمہ کرتے رہ جاتی ہے۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ شاعروں نے جو اس کے اوپر بہار کے اور لالہ و گل کے مضمون باندھے ہیں وہ کیا ہیں اور کچھ اصلیت رکھتے ہیں یا نہیں۔"

• ——— بلبل ہزار داستان سے کیا مراد ہے؟

1. ہزار قصے سنانے والی بلبل
2. گانے والی بلبل
3. کلغی والی بلبل
4. عندلیب

• ——— بلبل کیوں حد سے زیادہ مست ہوتی ہے؟

1. ٹہنی پر بیٹھنے کی وجہ سے
2. گلاب کے کھلنے کی وجہ سے
3. بہار کے آنے سے
4. چہچہے کرنے کی وجہ سے۔

- ــــــــــ آنکھیں بند کرکے زمزمہ کرتے رہ جاتی ہے' اس جملے میں آنکھ بند کرنا کس بات کی علامت ہے ؟

1۔ نیند آنے کی

2۔ زمزمہ کرنے کی

3۔ بہار آنے کی

4۔ مست ہونے کی

- ــــــــــ گل ولالہ کے مضموں باندھنے سے کیا مُراد ہے ؟

1۔ پھول پر مضموں لکھنا

2۔ پھولوں کو موضوع بنانا

3۔ اظہارِ عشق کرنا

4۔ گلاب کی تعریف کرنا

- ــــــــــ اس عبارت کا عنوان کیا ہونا چاہیے ؟

1۔ مستی

2۔ زمزمہ

3۔ عشق

4۔ موسم بہار

نیچے تین اشعار درج ہیں۔ اور ان سے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات دیے ہوئے ہیں۔ اشعار کو غور سے پڑھیے اور صحیح جواب کا نمبر دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر لکھ دیجیے۔

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ ۔۔۔ نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

داستاں گل کی خزاں میں نہ سنا اے بلبل ۔۔۔ ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رُلانا ہرگز

ڈھونڈتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب ۔۔۔ دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

ــــــــــ پہلے شعر میں کون سا لفظ ایسا ہے جس سے داستان کے دردناک اور الم انگیز ہونے کا اظہار ہوتا ہے ؟

(۱) دہلی مرحوم (۲) فسانہ (۳) تذکرہ (۴) دوست

______ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں کل کی داستان سے کس پہلو کی طرف اشارہ ملتا ہے؟ -

1. شاہانِ مغلیہ کی عظمت کی جانب
2. پھولوں کی زینت کی جانب
3. بلبل کے نغمے کی طرف
4. لال قلعے کی طرف

______ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں خزاں کا استعارہ کس مفہوم کو ادا کر رہا ہے؟

1. دہلی کا تمدن
2. دہلی کا زوال
3. بلبل کا گانا
4. ہنستے ہنستے رُلانا

14

امدادی سامانِ تعلیم اور دیگر وسائل

عام ملحوظات مدرسے کی تعلیم کو موثر بنانے کے لیے مختلف قسم کے ساز و سامان اور دیگر وسائل استعمال کیے جاتے ہیں۔ امدادی سامانِ تعلیم میں سمعی و بصری وسائل کے علاوہ وہ مشاغل شامل ہوتے ہیں جو رسمی نصاب کو موثر اور زیادہ معنی خیز بنانے کے لیے مدرسے کے اندر منظم کیے جاتے ہیں۔ آخر الذکر سے آموزش کی تحریک اور اوّل الذکر سے تعلیمی عمل میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں ان کی تیاری، فراہمی اور تنظیم پر بہت توجہ صرف کی جاتی ہے لیکن ہمارے ملک میں ان کا استعمال بہت محدود ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارا ملک ابھی ایک ترقی پذیر ملک ہے، اس لیے تعلیم کی ترقی اور توسیع پر بہت کم رقم صرف کی جاتی ہے۔ چنانچہ مدرسوں کے اندر جدید ساز و سامان اور وسائل کا استعمال بہت محدود ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ابھی تک ہمارے بیشتر مدارس میں تختۂ سیاہ کی فراہمی کا بھی اطمینان بخش انتظام نہیں ہو پایا ہے۔ ایسی صورت میں جدید آلات و وسائل کی گفتگو بے معنی ہے۔ تاہم استاد اگر ان کے استعمال سے واقفیت رکھتا ہو تو محدود طور پر ہی سہی، ان کا استعمال کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ طلبا کے اندر اپنے مضمون سے دلچسپی پیدا کرانے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ اور تدریسی عمل کو خوشگوار بنانے کے لیے مناسب ماحول پیدا کر سکتا ہے۔ لہٰذا تربیت یافتہ اور زیرِ تربیت اساتذہ کے استفادے کے لیے امدادی سامانِ تعلیم اور دیگر وسائل کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جا رہا ہے۔

(۱) امدادی سامانِ تعلیم

اردو زبان و ادب کی تدریس میں امدادی سامانِ تعلیم کا استعمال پرائمری درجات میں زیادہ ہوتا ہے۔ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر اس کے استعمال کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔ اس کی بڑی

وجہ یہ ہے کہ پرائمری درجات میں زبان اور زبان کی بنیادی مہارتیں سکھائی جاتی ہیں۔ لہٰذا شاگردوں میں لسانی مہارت پیدا کرانے اور ائتلاف مادّی سے الفاظ اور تصورات کا مفہوم سمجھانے میں امدادی سامان تعلیم بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن ثانوی منزل اور اعلیٰ ثانوی منزل پر لسانی مہارتوں کی توسیع اور شعر و ادب کی تعلیم چونکہ مقصود ہوتی ہے، اس لیے ان کے استعمال کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔ تاہم زبان کے استاد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان کے استعمال سے بخوبی واقف ہو تاکہ موقع محل کی مناسبت سے ان کا موثر استعمال کر سکے۔

امدادی سامان تعلیم میں دو قسم کا سامان شامل ہوتا ہے، ایک سمعی دوسرا بصری۔ سمعی سامان میں گراموفون، ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر اور بصری سامان میں چارٹ، نقشہ اور ماڈل وغیرہ شامل ہوتا ہے۔ لیکن بعض سامان ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سمعی اور بصری دونوں خصوصیات پائی جاتی ہیں، جیسے ٹیلی ویژن اور فلم۔ لہٰذا ایسے تمام سامان کو سمعی و بصری وسائل کے تحت شمار کیا جاتا ہے۔

سمعی و بصری ساز و سامان کے ذریعے مدرسے کی تعلیم کو دلچسپ اور موثر بنانے میں مدد ملتی ہے۔ ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ ہمارے تصورات بڑی حد تک بصری اور سمعی تجربات پر مبنی ہوتے ہیں اور ان سے درج ذیل تعلیمی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ سمعی و بصری وسائل سے تجربات وسیع ہوتے ہیں۔
۲۔ ائتلاف مادّی کے ذریعے الفاظ و تصورات کو سمجھنے میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔
۳۔ تصورات کی تفہیم میں طلبا کو کم وقت درکار ہوتا ہے۔
۴۔ سمعی و بصری وسائل کے ذریعے مستند معلومات حاصل ہوتی ہیں اور حصول معلومات کا عمل سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔
۵۔ ان وسائل کے ذریعے تحسین کا مادہ پیدا ہوتا ہے
۶۔ ان کے توسط سے مبہم اور پیچیدہ تصورات کی تفہیم میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔
۷۔ سمعی و بصری بصری وسائل کی مدد سے خیال آرائی کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور مشاہدے کی قوت بڑھتی ہے۔

مذکورہ بالا فوائد کے پیش نظر اردو کے استاد کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ درج ذیل امدادی سامان تعلیم کے استعمال سے واقف ہوں۔

تختۂ سیاہ کمرۂ جماعت کے اندر ایک صاف ستھرے تختۂ سیاہ کا ہونا بہت ضروری ہے، تاکہ استاد حسب ضرورت اس کا استعمال کر سکے۔ ایک تجربہ کار اور خلاّق استاد کو محض تختۂ سیاہ کے استعمال پر ہی نہیں، بلکہ تختۂ سیاہ کے تخلیقی استعمال پر قدرت ہونی چاہیے۔

زبان کا استاد عام طور پر تدریس کے دوران درج ذیل کاموں کے لیے تختۂ سیاہ کا استعمال کر سکتا ہے۔

۱۔ تلفظ کی مشق :۔ استاد اُن الفاظ کو جو تلفّظ کے اعتبار سے مشکل ہوں تختۂ سیاہ پر صاف صاف لکھ کر انفرادی طور پر طلبا سے تلفّظ کی مشق کرا سکتا ہے۔

۲۔ اخذ معنی :۔ الفاظ کے معنی اخذ کرانے کی منزل، زبان کے سبق کی ایک اہم منزل ہوتی ہے۔ اس لیے استاد کو اس کام سے متعلق تختۂ سیاہ کے بہتر استعمال کے طور طریق سے واقف ہونا ضروری ہے۔

اخذ معنی کی منزل پر تختۂ سیاہ کو موثّر ڈھنگ سے استعمال کرنے کے لیے اگر استاد رنگین چاک کا استعمال کرے، تو زیادہ مناسب ہو۔ مثال کے طور پر لفظ اور معنی لکھنے کے لیے جب تختۂ سیاہ پر دو کالم بنائے جائیں، تو عنوان یعنی لفظ اور معنی، رنگین چاک سے اور باقی کام سفید چاک سے کیا جا سکتا ہے۔ کسی اہم لفظ کی یا ترکیب کی نشان دہی کرنی ہو تو رنگین چاک سے اس کے نیچے یا اوپر خط کھینچا جا سکتا ہے۔ مشقی سوالات اور طلبا کے جوابات بھی تختۂ سیاہ پر لکھتے وقت اہم نکات اور تراکیب کی شناخت کے لیے رنگین چاک کا استعمال کرنا چاہیے۔

تختۂ سیاہ پر لکھتے وقت استاد کو حسب ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ بائیں طرف کھڑے ہو کر لکھیں تاکہ شاگردوں کو دیکھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ مشقی اسباق کی نگرانی کے دوران اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ استاد تختۂ سیاہ پر لکھتے وقت تختۂ سیاہ کو ڈھک لیتا ہے اور تختۂ سیاہ کی عبارت شاگردوں کو نظر نہیں آتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ استاد لکھتے وقت تختۂ سیاہ کے بائیں کنارے پر کھڑا ہو۔

۲۔ سیدھی سطر میں لکھنے کی کوشش کریں۔

۳۔ لکھتے وقت حروف کی بناوٹ، دائروں اور شوشوں کا خاص طور سے خیال رکھیں۔

۴۔ لکھتے وقت چاک سے کوئی آواز نہ پیدا ہو۔

۵۔ تختۂ سیاہ کے درمیانی حصّے میں لکھنے کی کوشش کریں تاکہ تمام شاگردوں کو سہولت کے ساتھ نظر آئے۔

۶۔ عنوان، ذیلی عنوان اور اہم نکات کو واضح کرنے کے لیے رنگین چاک کا استعمال کریں، تو بہتر ہوگا۔

چارٹ اور تصاویر زبان کی تدریس میں چارٹ اور تصاویر سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ہر چند کہ ابتدائی درجات میں اس کے استعمال کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے، تاہم ثانوی منزل پر بھی اس کا محدود استعمال ہو سکتا ہے۔ خاص طور سے سبق کی ابتدائی منزل یعنی تمہید کے موقع پر چارٹ اور تصاویر سے کام لیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر اردو کے عناصر خمسہ کو متعارف کرانا مقصود ہو، تو ایک ایسا چارٹ تیار کیا جاسکتا ہے جس میں سرسید اور اُن کے رفقاء کو اس طرح دکھایا جائے کہ سرسید کو مرکزی حیثیت حاصل ہو۔ اس طرح مشاہیرِ اردو کی تصاویر بھی استعمال کی جاسکتی ہیں، بشرطیکہ تصاویر بڑے سائز میں دستیاب ہو سکیں۔

ماڈل ثانوی سطح پر زبان و ادب کی تعلیم میں ماڈل کے استعمال کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے لیکن انشا کے کام میں کسی حد تک ماڈل سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اگر انشا کا موضوع کوئی مقررن شے ہو، تو مضمون کا خاکہ تیار کراتے وقت طلبا کو اس شے کا ماڈل دکھایا جاسکتا ہے اور ان میں تخیل آرائی کی تحریک پیدا کی جاسکتی ہے۔

فلم پروجیکٹر اردو کے اسباق پڑھاتے وقت بعض اوقات یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ ادیبوں اور شاعروں کی تصاویر دکھائی جائیں یا ادبی جلسے، مشاعرے یا مناظرے کا کوئی منظر طلبا کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کے ذریعے طلبا کو اظہارِ خیال کا موقع دیا جائے۔ پروجیکٹر پر چونکہ تصویریں یا فلم بڑے سائز میں دکھائی جاسکتی، اس لیے درس و تدریس میں یہ بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔

اپی ڈیاسکوپ اس کے ذریعے فلم پٹی کے بغیر تصاویر اور مسودوں کے صفحات اس طرح دکھائے جاسکتے ہیں کہ تصویریں اور صفحات بڑے نظر آئیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ تصویر کی جزئیات صفائی کے ساتھ دیکھی جاسکتی ہیں اور عبارت کا آسانی کے ساتھ مشاہدہ اور مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

گراموفون و لنگوافون اردو کی تعلیم میں گراموفون اور لنگوافون کا استعمال خصوصیت کے ساتھ اہمیت رکھتا ہے۔ گراموفون پر کہانیاں، نظمیں اور مرثیے سنائے جاسکتے ہیں اور طالب علموں کے سامنے خوش خوانی کا عمدہ نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ لنگوافون کے استعمال سے تلفظ اور ادائیگی الفاظ کی بہتر تربیت کی جاسکتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں تلفظ درست کرانے کے سلسلے میں لنگوافون سے بہت مدد لی جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں بھی اس کا رواج ہوتا

جارہا ہے۔ لیکن اس کا استعمال ابھی محض زبان سے متعلق تحقیقی اداروں تک محدود ہے۔ مدرسوں میں اس کا انتظام ابھی تک نہیں ہو پایا ہے۔

ٹیپ ریکارڈر کہانیاں، تقلیں اور ڈرامے سنانے کے لیے ٹیپ ریکارڈر کا استعمال بہتر و خوبی کیا جاسکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو شعر و ادب سے متعلق ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر جو اچھے پروگرام نشر ہوں، انھیں ٹیپ کر لیا جائے اور کمرۂ جماعت میں طلبا کو سنایا جائے۔

ریڈیو تعلیم میں ریڈیو کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، اس لیے کہ اب خصوصیت کے ساتھ ایسے پروگرام نشر کیے جا رہے ہیں، جو تعلیمی اعتبار سے بہت افادیت کے حامل ہیں۔ ان میں اسکول براڈ کاسٹ اور بچوں کے پروگرام خصوصیت کے ساتھ قبولیت حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ ریڈیو کے پروگرام کی مدد سے تلفظ کی ادائیگی اور صحت و صفائی کے ساتھ بولنے اور پڑھنے کی بھی بہتر تربیت کی جاسکتی ہے۔

آل انڈیا ریڈیو کے بیشتر اسٹیشنوں سے ادبی پروگرام نشر کیے جاتے ہیں۔ کبھی تقاریر اور مباحثوں کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، کبھی مشاعرے منعقد کیے جاتے ہیں اور کبھی قومی و ملی اہمیت کے پروگرام بھی نشر کیے جاتے ہیں۔ ان کے تحت ایسے ادیبوں اور شاعروں کے دن منائے جاتے ہیں جو قومی و جذباتی ہم آہنگی پیدا کرانے میں ممد و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

آل انڈیا ریڈیو سے اکثر ریڈیائی ڈرامے اور فیچر بھی نشر کیے جاتے ہیں، جو نہ صرف طالب علموں کی دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں، بلکہ اردو زبان و ادب سے دلچسپی پیدا کرانے میں بھی مفید ثابت ہوتے ہیں۔

ریڈیو کا استعمال اب چونکہ بہت عام ہو گیا ہے، اس لیے شہری اور دیہاتی دونوں قسم کے مدرسوں میں ریڈیو کے پروگرام سے استفادہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ٹیلی ویژن ٹیلی ویژن ابھی چند بڑے بڑے شہروں تک محدود ہے۔ اس لیے ملی پیمانے پر اس کا استعمال فی الحال ممکن نہیں۔ شہروں میں، جہاں ٹیلی ویژن کی سہولت میسر ہے، طالب علموں کو ادبی و تہذیبی پروگرام سے فیض پہنچایا جاسکتا ہے۔ ٹیلی ویژن اور فلم میں چونکہ سمعی اور بصری دونوں ہی وسیلے استعمال ہوتے ہیں، اس لیے طالب علموں کے لیے دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ گزشتہ دہوں میں ٹیلی ویژن نے سماجی اور ثقافتی زندگی میں جو قبول عام حاصل کر لیا ہے، طالب علموں کی صحیح رہنمائی کی جائے تاکہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر لیں۔

مدرسے کے اوقات میں ٹیلی ویژن پر ریاضی، سائنس اور انگریزی کے عمدہ اسباق پیش کیے جاتے ہیں۔ لیکن اردو پڑھانے کے سلسلے میں ٹیلی ویژن سے پروگرام پیش کرنے کا ابھی سلسلہ

نہیں شروع ہو پایا ہے۔

فلم فلم تعلیم کا بہت ہی موثر ذریعہ ہے لیکن تعلیمی مقاصد کے پیش نظر فلمیں بنانے کا کام ابھی شروع نہیں ہو پایا ہے۔ خاص طور سے ایسی فلمیں ابھی تک نہیں بن پائی ہیں، جن کے ذریعے طالب علموں میں زبان و ادب کا شوق پیدا کیا جا سکے۔

(ب) مدرسے کے دیگر وسائل

مدرسے کے اندر بعض ایسے مشاغل کا اہتمام کیا جا سکتا ہے، جن کا تعلق اردو شعر و ادب کی تدریس سے براہِ راست تو نہیں لیکن بالواسطہ طور پر تدریس کو موثر بنانے میں بہت ممد و مددگار ثابت ہو سکتے ہیں ان مشاغل کے وسیلے سے مدرسے اور سماج کے درمیان رابطہ قائم ہوتا ہے اور ان مشاغل کے قیام سے مدرسے کے اندر ایسی فضا تیار ہو جاتی ہے جو شعر و ادب سے دلچسپی پیدا کرانے میں بہت معاون ہوتی ہے ان مشاغل میں شرکت کرنے کی وجہ سے طلبا کو مہذب اور شائستہ گفتگو کا سلیقہ سیکھنے کا موقع ملتا ہے اور ان کے اندر ادبی رجحانات نشو و نما پاتے ہیں اور انھیں ادبی تحریکات سے واقفیت پیدا ہو جاتی ہے غرض طلبا کے ذوق سلیم کی آبیاری کے لیے یہ مشاغل بڑی تعلیمی اہمیت کے حامل ہیں۔ ذیل میں بعض ایسے مشاغل کا ذکر کیا جا رہا ہے، جو مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے بہت کارگر ثابت ہو سکتے ہیں۔

انجمن مباحثہ دیگر مشاغل میں انجمن مباحثہ کا ایک اہم مقام ہے، اس لیے کہ انجمن مباحثہ کے جلسوں میں طالب علموں کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ کسی جھجک کے بغیر آزادانہ طور پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔ تقریر سے چونکہ تحریر کا بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر طالب علموں کی تحریری صلاحیتوں کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

انجمن مباحثہ کی تنظیم اگر طلبا کے ہاتھ میں ہو، اور وہ خود اپنے عہدیداروں کا انتخاب کر سکیں، تو زیادہ مناسب ہو۔ اس سے دو طرفہ فائدہ ہوگا۔ ایک طرف تو اس کے ذریعے اس کام میں طلبا کا فعال اشتراک ہوگا، اور دوسری جانب انتخابی عمل میں اظہار اور تبادلۂ خیال کا پورا پورا موقع ملے گا۔ اسی کے ساتھ ساتھ طلبا کے اندر ذمہ داری کا احساس اور خود اعتمادی پیدا ہوگی۔

انجمن مباحثہ کے جلسے پابندی کے ساتھ منعقد ہونے چاہئیں۔ جلسوں کی تعداد، جگہ اور وقت کا تعین، مدرسے، اساتذہ اور طلبا کی سہولت کے پیش نظر ہونا چاہیے۔ جلسے کا اعلان ہفتے دو ہفتے پہلے کر دینا چاہیے تاکہ طلبا خاطر خواہ تیاری کر سکیں۔

مباحثے کے لیے موضوعات کا انتخاب کرنے میں بہت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اگر موضوع طلبا کی دلچسپی کا باعث نہ ہو، تو مقصد فوت ہو جائے گا۔ لہٰذا مباحثے کے لیے ایسے موضوعات کا انتخاب کرانا چاہیے جن پر طالب علم اظہارِ خیال کرنا پسند کرتے ہوں۔ اس سلسلے میں استاد کی رہنمائی بہت ضروری ہے۔

دیواری رسالہ مذکورہ بالا سطور میں اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ تحریر کا تقریر سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ اس کے پیشِ نظر مدرسے کے اندر دیواری رسالے کا قیام عمل میں آسکتا ہے۔ اس کے ذریعے تخلیقی انشا کے بہتر مواقع طالب علموں کو فراہم کیے جاسکتے ہیں، اور تخلیقی انشا سے متعلق اُن صلاحیتوں کو فروغ دیا جاسکتا ہے، جو اوائل عمر سے ہی بچوں میں نظر آنے لگتی ہیں۔ ثانوی منزل پر پہنچ کر عموماً طالب علموں میں تقریر و تحریر کی اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ صحت و صفائی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں اور کسی منظر یا واقعے کو اچھوتے اسلوب میں بیان کر سکیں۔ اظہار و بیان کی اس صلاحیت کو فروغ دینا مدرسے کا اہم فرض ہے۔

طلبا سے مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کرانے کے سلسلے میں انتخابِ موضوع کا مسئلہ بہت نازک ہوتا ہے، اس لیے کہ تمام موضوعات طلبا کی دلچسپی کا باعث نہیں ہوتے، بعض موضوعات ایسے ہوتے ہیں جن پر اظہارِ خیال کرنے کے بجائے طالب علم عملی حیثیت سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لیے موضوعات کا انتخاب کراتے وقت طالب علم کی عمر، ماحول اور دلچسپی کا خیال کرنا ضروری ہے۔

دیواری رسالے کے لیے مضمون لکھوانے سے پہلے ہی طالب علموں کو ضروری ہدایات واضح طور پر دے دینی چاہیے۔ طالب علم اگر ایک مقررہ سائز کے کاغذ پر مضمون لکھیں، تو مناسب ہوگا تاکہ مقررہ جگہ پر سہولت کے ساتھ چسپاں کیے جاسکیں۔ مضامین خوش خط ہونے چاہئیں۔ عنوان، ذیلی عنوان اور پارہ بندی کا خیال رکھنا چاہیے۔ نفسِ مضمون میں ربط اور تسلسل کا ہونا ضروری ہے۔ مضمون چسپاں کرنے سے پہلے استاد کو اچھی طرح اطمینان کر لینا چاہیے کہ مضمون میں کوئی غلطی تو نہیں رہ گئی ہے۔ خاص طور سے املا کی غلطیوں پر بہت توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

دیواری رسالے کے قیام سے طلبا کو عام طور پر اور اردو زبان و ادب کے طالب علموں کو خاص طور پر بہت مدد ملتی ہے۔ ان کے اندر اظہارِ خیال کی تحریک پیدا ہوتی ہے، مضمون نگاری کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور ذوقِ ادب کی نشوونما ہوتی ہے۔

بزمِ ادب زبان وادب سے دلچسپی پیدا کرنے کا ایک موثر طریقہ بزمِ ادب کا قیام ہے۔ اگر مدرسے کے اندر سال کے شروع ہی میں بزمِ ادب قائم کر دی جائے، تو سال بھر بزمِ ادب کی سرگرمیاں جاری رہ سکتی ہیں۔ بزمِ ادب کے زیرِ انتظام متنوع قسم کے پروگراموں کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے چند کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

مشاعرہ ادبی و ثقافتی لحاظ سے مشاعرے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ مشاعروں کے ذریعے طلبا زبان کی جاذبیت، رنگینی اور دلکشی سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور اپنی زبان اور زبان کے توسط سے شعر و ادب سے محبت کرنا سیکھتے ہیں۔

ثانوی مدارس میں مشاعروں کا انتظام کرانے میں دشواریاں ضرور پیش آتی ہیں لیکن اگر مدرسے کا نگران یا اردو کا استاد خوش تدبیر ہے، تو سال میں ایک بار مشاعرے کا اہتمام ناممکن نہیں۔ عام طور پر قصبوں اور شہروں میں مشاعرے ہوتے رہتے ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھا کر مدرسے کے اندر بھی مشاعرے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدرسوں کے اندر ایسے اساتذہ بھی موجود ہوتے ہیں، جو شعر و شاعری سے شغف رکھتے ہوں۔ یہ اساتذہ اپنے طلبا میں مشاعروں کے ذریعے نہ صرف شعر و شاعری کا چرچا کر سکتے ہیں، بلکہ ان میں بعض کو جو تخلیقی صلاحیت کے حامل ہوں، خود بھی شعر کہنے پر اکسا سکتے ہیں۔ مشاعروں میں شرکت کر کے طلبا حسنِ بیان، حسنِ ادا اور نشستِ دبرخاست کے مہذب طریقوں سے واقف ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ثانوی مدرسے کے اندر سال میں کم سے کم ایک بار مشاعرہ منعقد کرانے کی ضرور کوشش کرنی چاہیے تاکہ اس قسم کے ادبی جلسوں کا انتظام کرنے کی انھیں عملی تربیت حاصل ہو جائے۔

بیت بازی بزمِ ادب کے تحت بیت بازی کے پروگرام بھی منعقد کیے جا سکتے ہیں۔ اس پروگرام میں طلبا بہت دلچسپی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ استاد کو چاہیے کہ بیت بازی کے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے اچھی طرح تیاری کرائے اور اس طرح طلبا کو عمدہ اشعار منتخب کرنے، انھیں یاد کرنے اور موثر ڈھنگ سے سنانے کی تربیت کا موقع فراہم کرے۔

بیت بازی کا پروگرام کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہفتے بھر پہلے مدرسے کے اندر اس کا اعلان کرا دیا جائے۔ تاریخ، وقت اور جگہ کے ساتھ ساتھ ان جماعتوں کا اعلان بھی مناسب ہوتا ہے، جن کے مابین بیت بازی کا مقابلہ کرانا مقصود ہو۔ بیت بازی کے پروگرام کو چلانے کے لیے

اساتذہ میں سے کسی ایسے استاد کو جج مقرر کر دیا جاتا ہے، جو اشعار کے انتخاب اور طرز ادا کو پرکھنے پر قدرت رکھتا ہو۔

ڈرامے کمرۂ جماعت کے باہر جن مشاغل کے اہتمام کا مشورہ دیا جاتا ہے، ان میں ڈرامے تعلیمی اعتبار سے بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں، اس لیے کہ ڈراموں کے ذریعے طلبا کو مکالموں کی ادائیگی کا عملی تجربہ حاصل ہوتا ہے۔

ڈرامے کو اردو ادب میں ابھی وہ مقام حاصل نہیں ہو پایا ہے، جو دیگر ترقی یافتہ زبانوں میں اُسے حاصل ہے۔ ایک دشواری تو یہ ہے کہ ثانوی سطح کے طلبا کے لیے اردو میں ڈرامے بہت کم لکھے گئے ہیں، تاہم استاد ڈراموں کی تلاش و جستجو میں اگر محنت اور توجہ سے کام لے، تو طالب علموں کی عمر اور ماحول کے مطابق ڈرامے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یہاں اس نازک فرق کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مدرسے کے کتب خانے میں ایسے ڈرامے مل جاتے ہیں، جنھیں پڑھنے میں طلبا کو دلچسپی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ ان ڈراموں کو پڑھ کر کتب خانے میں واپس کر دیتے ہیں لیکن اس طرح ڈراموں کے پڑھنے سے طلبا میں اتنی دلچسپی نہیں پیدا ہوتی کہ ان ڈراموں کو اسٹیج کرنے کی ان کے اندر تحریک پیدا ہو۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس قسم کے ڈراموں کے افراد طلبا کے تصور میں زندہ جاوید نہیں ہو پاتے اور نہ وہ اُن سے مانوس ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان ڈراموں سے جو لطف حاصل کرنا چاہیے وہ طالب علم حاصل نہیں کر پاتے۔ اس لیے ایسے ڈرامے فراہم کرنے میں استاد کو پیش رفت کرنی چاہیے، جن کے واقعات اور افراد سے طلبا دلچسپی محسوس کر سکیں۔

ڈرامے میں حصہ لینے اور اداکاری سے بہت سے مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خاص طور سے رول کا انتخاب کرتے وقت طلبا کے اندر غور و فکر اور شعوری طور پر یہ تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ڈرامے کے افراد کی شخصیت کے پیش نظر کس طالب علم کے لیے کون سا کردار مناسب ہوگا۔ پھر منظر، لباس اور دیگر تفصیلات پر تبادلۂ خیال کرنے سے نہ صرف طلبا کی معلومات میں اضافہ ہوگا، بلکہ اُن کے اندر جوش عمل بھی پیدا ہوگا، جو مسرت کا سرچشمہ ہے۔

ڈرامے کے ذریعے طالب علموں کو مکالموں کے طرز پر الفاظ اور جملوں کی ادائیگی کا فن سکھایا جا سکتا ہے اور طلبا کو اس بات کی تربیت دی جا سکتی ہے کہ لب و لہجہ کی تبدیلی اور آوازوں کے زیر و بم سے مکالموں میں کس طرح جان ڈالی جا سکتی ہے

15

اشارات سبق

تدریسی عمل کو موثر بنانے کے لیے استاد کو بہت سے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ اپنے مضمون کو اچھی طرح تیار کرنا پڑتا ہے، موضوع کی مناسبت سے تدریسی سامان فراہم کرنا پڑتا ہے اور سبق کی اچھی طرح تیاری کرنی پڑتی ہے۔ سبق کی تیاری میں موضوع کا تعین، مواد کا انتخاب، مواد کی اکائیوں میں تقسیم، ترتیب و تنظیم اور مختلف اکائیوں کے درمیان ربط اور تسلسل کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور ان تمام تفصیلات کو جب سلسلہ وار قلمبند کر لیا جاتا ہے، تو وہ اشارات سبق کہلاتے ہیں۔

اشارات سبق دراصل شعوری طور پر استاد کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ استاد چاہے کتنا ہی لائق کیوں نہ ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مجوزہ سبق کی تمام تفصیلات پر غور کرے، اور سبق سے متعلق اہم نکات کو ذہن نشین کرے۔ اگر وہ ان تمام ضروری امور کو نظر انداز کر کے بغیر کسی تیاری کے کمرۂ جماعت میں چلا جائے تو اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اس قسم کی تدریس سے نہ تو اس کے تدریسی ذوق کو تسکین ہوگی اور نہ شاگردوں کو خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔ اس کے برعکس ایک اوسط لیاقت کا استاد بھی اگر سبق سے متعلق تمام جزئیات پر غور کرے اور اہم امور کو قلمبند کر لے، تو تدریسی عمل میں یقیناً کامیاب ہوگا۔ اسی مقصد کے پیش نظر ٹریننگ کالجوں میں مشق اسباق پر خاص طور سے توجہ دی جاتی ہے، اور مشق اسباق کے دوران خصوصیت کے ساتھ سبق کے اشارے تیار کرائے جاتے ہیں۔ اسی طرح زیر تربیت اساتذہ کو اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ سبق پڑھانے سے پہلے تدریسی نکات اور اقدامات سبق پر غور کر لیں، اور اپنی سہولت کے لیے انھیں نوٹ بھی کر لیں تاکہ پڑھاتے وقت وہ تمام ساز و سامان سے لیس رہیں۔ زیر تربیت اساتذہ کے لیے اس کی اہمیت یوں بھی زیادہ ہے کہ اُن کو درس و تدریس کا کوئی عملی تجربہ نہیں ہوتا، اور اگر ہوتا بھی ہے تو بہت معمولی سا۔ اس لیے خام استاد جب اشارات سبق تیار کر کے کمرۂ جماعت میں داخل ہوتا ہے، تو یقیناً زیادہ اعتماد کے ساتھ اپنے شاگردوں کے ساتھ رابطہ

قائم کرتا ہے، اور زیادہ اطمینان کے ساتھ سبق پڑھاتا ہے۔

اشاراتِ سبق ہر چند کہ استاد کے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہیں، لیکن کوئی ایسی پتھر کی لکیر نہیں ہوتے، جن سے سرِمُو انحراف گوارا نہ کیا جاسکے۔ بلکہ ضرورت، مصلحت اور موقع محل کے لحاظ سے اُن میں تبدیلی کی گنجائش ہوتی ہے۔ اشاراتِ سبق استاد پر پابندی نہیں عائد کرتے، بلکہ رہنمائی کرتے ہیں۔ لہٰذا موثر اور تخلیقی تدریس کے لیے ضروری ہے کہ استاد، اشاراتِ سبق تیار کرکے کمرۂ جماعت میں داخل ہو۔

ٹریننگ کالجوں میں اشاراتِ سبق تیار کرنے کا کام عام طور پر اس نہج پر ہوتا ہے، جو ہربارٹ نے تجویز کیے تھے۔ یہ عمل قابلِ تشویش ہے کہ درس و تدریس سے متعلق جو بھی تحقیقات عمل میں آئی ہیں اُن میں سبق کے اشارات کی تیاری پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اشاراتِ سبق کی تیاری کے سلسلے میں بات ہربارٹ کی پانچ منزلوں سے آگے نہیں بڑھی اور مشقی اسباق کے دوران زیادہ تر اشاراتِ سبق ہربارٹ کے ہی رسمی اقدامات کی بنیاد پر تیار کیے جاتے ہیں، جبکہ یہ اقدامات تعلیم کے جدید نفسیاتی اصولوں سے پورے طور پر ہم آہنگ نہیں ہیں۔

ہربارٹ کا منصوبہ سبق معلوماتی اسباق کے لیے تو موزوں ہے، لیکن مہارتی اور ذوقی اسباق کے لیے مناسب نہیں۔ مہارتی سبق کا مقصد مہارت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے اقداماتِ سبق معلوماتی اسباق کے اقدامات سے مختلف ہوں گے۔ اسی طرح موسیقی، ڈرائنگ اور نظم کے اسباق کو ہربارٹ کی پانچ منزلوں کا پابند بنانا موزوں نہیں ہے اس لیے کہ ان اسباق کا مقصد حسِ لطیف اور ذوقِ سلیم کی تربیت ہے، معلومات بہم پہنچانا نہیں۔

ہربارٹ نے جن تعلیمی اصولوں پر سبق کی بنیاد رکھی ہے، اس کے مطابق حصولِ علم کے لیے چند منزلوں سے گزرنا ضروری ہے۔ اس کے نظریات کی رُو سے تعلیم کا مقصد سیرت کی تعمیر ہے۔ سیرت کی تعمیر کا انحصار قوتِ ارادی پر ہے، اور ارادے کا انحصار خواہشات پر، اور خواہشات کا دلچسپی پر اور دلچسپیوں کا تعلق سلسلۂ خیال سے ہے۔ ہربارٹ کی منطق یہ ہے کہ اگر تعلیم کے عمل میں سلسلۂ خیال کو اس طرح منظم کردیا جائے کہ اس کے اندر کوئی خلا باقی نہ رہے، تو سیرت پختہ ہوجائے گی اور تعلیم کا مقصد پورا ہوجائے گا۔

ہربارٹ نے سلسلۂ خیال کی بہتر تنظیم کے لیے اجتماعِ مضامین کا تصور پیش کیا ہے اور کسی ایک مرکزی مضمون کے ذریعے دیگر مضامین کو مربوط کرنے کا طریقہ تجویز کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ سلسلۂ خیال کی تنظیم کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ چونکہ ہربارٹ کا تصورِ تعلیم محدود ہے اور نئی تعلیم کے تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہے اس لیے سبق کے اشارات تیار کرتے وقت کلیتاً ہربارٹ کے اقدامات سبق کی سفارش نہیں

کی جاسکتی، بلکہ اسباق کی نوعیت کے اعتبار سے طریقۂ کار میں تبدیلی لانا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا اسباق کی روشنی میں اشاراتِ سبق تیار کرتے وقت درج ذیل امور کو ملحوظ رکھنا چاہیے:

1۔ **موادِ مضمون کا انتخاب**:۔ موادِ مضمون کا انتخاب اشاراتِ سبق کی اوّلین ضرورت ہے۔ اس کا انتخاب کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ سبق کس درجے کے لیے تیار کرنا ہے۔ طالب علموں کی عمر کیا ہے، ان کے معیار، ماحول اور دلچسپیوں کا کیا تقاضا ہے۔ پھر یہ کہ مضمون کے لیے ٹائم ٹیبل میں کتنا وقت فراہم کیا گیا ہے۔ اگر مضمون مواد کے انتخاب میں ان تمام پہلوؤں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ کامیابی کے ساتھ سبق کی تدریس ممکن نہیں ہو سکے گی۔

2۔ **موادِ مضمون کی تنظیم**:۔ موادِ مضمون کے انتخاب کے بعد دوسری اہم منزل یہ ہے کہ اس کو مختلف اجزا میں تقسیم کر لیا جائے۔ یہ تقسیم اس طرح ہونی چاہیے کہ تمام اجزا کے درمیان ایک باہمی ربط بھی قائم رہے یعنی پورے سبق کو مختلف اکائیوں میں اس طرح بانٹ لیا جائے کہ اُن کے درمیان ایک تسلسل قائم رہے۔ پھر اسی کے لحاظ سے عنوانات اور مختلف اکائیوں کے لیے ذیلی عنوانات قائم کرنے چاہئیں۔ عنوانات اور ذیلی عنوانات کے تحت ہی سبق سے متعلق تمام تفصیلات فراہم کی جاتی ہیں۔

3۔ **موادِ مضمون کی دقت کے اعتبار سے تشریح و توضیح کے لیے چارٹ، ماڈل اور توضیحات کا استعمال ضروری ہے**۔ چنانچہ اشاراتِ سبق میں زیرِ تدریس عنوان کی مناسبت سے امدادی سامانِ تعلیم کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک ہوشیار استاد اس بات کا اندازہ کر لیتا ہے کہ کس سبق کے لیے کس قسم کی توضیحات درکار ہوں گی۔ زبان و ادب کے اسباق میں امدادی سامانِ تعلیم کے استعمال کا بہت کم موقع ملتا ہے، تاہم ثانوی منزل کی ابتدائی جماعتوں میں ان کا استعمال ہو سکتا ہے۔

4۔ **اہم نکات کا تعین**:۔ مشقی اسباق کے دوران عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ استاد سبق پڑھاتے وقت اہم اور غیر اہم باتوں میں تمیز نہیں کر پاتا، اور وہ تمام باتیں جو مضمون سے متعلق اُس کے علم میں ہیں، ایک ہی سانس میں اپنے طالب علموں تک منتقل کر دینا چاہتا ہے۔ اس کی وجہ سے طالب علموں کے ذہن میں الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سبق کے اہم نکات کا پیشگی تعین کر لینا چاہیے۔ اس طرح یہ فائدہ ہوگا کہ تختۂ سیاہ پر سبق کا خلاصہ لکھتے وقت کسی قسم کی دقت پیش نہیں آئے گی۔

5۔ **طریقۂ تدریس کا تعین**:۔ ان تمام وسائل کو جب کسی خاص طریقۂ کار کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، تو وہ طریقۂ تدریس کہلاتا ہے۔ دیگر مضامین کی طرح اردو کی تدریس کے لیے بھی خاص طریقۂ تدریس

اپنایا جاتا ہے۔ تاہم کچھ ایسے عام اصول وضع کیے گئے ہیں جو ہر مضمون کی تدریس میں مستحسن قرار دیے جاتے ہیں۔ پڑھانے کے یہ گُر تدریس کو دلچسپ اور موثر بنانے میں معاون ہوتے ہیں۔ مثلاً آسان سے مشکل کی طرف، معلوم سے نامعلوم کی طرف، محسوس سے غیر محسوس کی طرف، مقرون سے مجرّد کی طرف، کُل سے جز کی طرف چلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ نیز مواد کی نفسیاتی ترتیب کو منطقی ترتیب پر ترجیح دینی چاہیے۔ ساتھ ہی ساتھ استاد کو اس بات کی بھی سعی کرنی چاہیے کہ اپنے طریقۂ تدریس کو اس طرح ڈھالے کہ طلبا کے تجسس کو ابھار سکے اور ان کی استفسار کی خواہش کو حرکت میں لا سکے۔

مندرجہ بالا خصوصیات اسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کہ سبق کے اشارات پڑھانے سے پہلے مرتب کر لیے جائیں۔ زیر تربیت اساتذہ اور دورانِ ملازمت اساتذہ کی سہولت کے لیے نظم، نثر، انشا اور گرامر کے اسباق کے چند نمونے پیش کیے جا رہے ہیں۔

سبق کا نمونہ نمبر ۱

جماعت ہشتم تاریخ

مضمون اردو نثر گھنٹہ

عنوان مرحوم کی یاد میں (پطرس کے مضمون کا ایک اقتباس)

تدریسی مقاصد:۔

۔ طلبا کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرنا۔

۔ طلبا میں بآواز بلند خاموش مطالعے کی مہارت پیدا کرانا۔

۔ طلبا میں زود خوانی اور زود فہمی کی صلاحیت پیدا کرانا۔

۔ طلبا کو پطرس کے اسلوب بیان سے روشناس کرانا۔

۔ طلبا سے زبان و قواعد کا کام کرانا۔

طلبا میں مضامین پطرس پڑھنے کا شوق پیدا کرنا۔

سابقہ معلومات:۔ طلبا رشید احمد صدیقی کے مزاحیہ مضامین پڑھ چکے ہیں۔

تمہید:۔ طلبا کو سبق کی جانب متوجہ کرانے کے لیے استاد حسب ذیل سوالات پوچھے گا۔

۔ آپ نے رشید احمد صدیقی کا کون سا مضمون پڑھا ہے؟

۔ رشید احمد صدیقی کے اسلوب بیان کی کیا خصوصیات ہیں؟

طلبا کے سوال و جواب کی روشنی میں استاد آج کے سبق سے طلبا کو متعارف کرائے گا۔

اعلان سبق:۔ اب ہم مجوزہ سبق 'مرحوم کی یاد میں' پڑھیں گے۔ غور سے سنیے اور دیکھیے کہ زبان و بیان کی وجہ سے اس میں کس قدر مزاح پیدا ہو گیا ہے۔

نمونے کی بلند خوانی:۔ استاد مناسب لب و لہجے کے ساتھ مضمون پڑھ کر سنائے گا پڑھتے وقت مکالمے کا انداز اختیار کرے گا۔

تلفظ کی مشق:۔ 'مجمل ہیئت' کو تختۂ سیاہ پر لکھا جائے گا۔ پہلے استاد اس کا تلفظ صاف صاف ادا کرے گا۔ پھر انفرادی طور پر طلبا سے تلفظ کی مشق کرائے گا۔

اخذ معنی:۔ طلبا سے نئے الفاظ کے معنی اخذ کرائے جائیں گے۔ اس کے لیے حسب ذیل طریقے اختیار کیا جائے گا۔

(ا) طلبا سے دریافت کر کے

(ب) متضاد و مترادف الفاظ بتا کر

(ج) لفظ کو جملے میں استعمال کر کے

لفظ	معنی
مجمل	اجمال کیا گیا، جو تفصیل کا محتاج ہو، خلاصہ، اختصار
ہیئت	شکل
جدید	نیا (قدیم کا متضاد)
اترائی	ڈھلان (چڑھائی کا متضاد)
قبیل	قسم۔ لفظ قبیلہ اسی سے نکلا ہے۔ آدمیوں کے گروہ سے مراد ہے۔
مخمور	نشے میں چور (خمار سے بنا ہے)
ادق	مشکل (سہل کا متضاد)

خاموش مطالعہ:۔ طلبا سے کہا جائے گا کہ دہ عبارت کا خاموشی سے اس طرح مطالعہ کریں کہ نہ ہونٹ ہلیں اور نہ آواز نکلے۔

تفہیم عبارت:۔ استاد عبارت کی خوبیوں سے طلبا کو روشناس کرانے کے لیے سوال جواب کا طریقہ اختیار کرے گا اور اس دوران مزاحیہ جملوں کی طرف طلبا کو متوجہ کرائے گا۔

- 'دھر دل پر میل اور زنگ چڑھا ہے'۔ اس جملے میں بائیسکل کی کس کیفیت کو بیان کیا گیا ہے؟
- 'ہیئت سے صاف ظاہر تھا'۔ اس جملے سے کیا مراد ہے؟
- 'جیسے دن مردہ اپنی ہڈیاں چٹخا کر اپنی مرضی کے خلاف زندہ ہو رہا ہو'۔ اس جملے میں سائیکل

کی کس کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ؟

• 'لیکن اس رفتار سے جیسے تارکول بہتا ہو' ۔۔۔ اس جملے میں سائیکل کے چلنے کو تارکول بہنے سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے ؟

• پرانی سائیکل چلاتے وقت جو آوازیں نکلتی ہیں وہ کن کن پرزوں سے نکلتی ہیں ؟

اسلوبِ بیان :۔ طلبا کے اشتراک سے درج ذیل جملے تلاش کروائے جائیں گے۔ ان کے مزاحیہ پہلوؤں کی جانب اشارہ کیا جائے گا اور اُن کی بنیاد پر بتایا جائے گا کہ پطرس کے طرزِ نگارش میں نہایت لطیف مزاح کی چاشنی ملتی ہے اور وہ اردو کے صاحبِ طرز ادیب ہیں ۔

"پچھلا پہیا گھومنے کے علاوہ جھومتا بھی تھا۔"

"حضور وہ تیل دینے کے سوراخ ہوتے ہیں نہیں ملتے ۔"

"میں نے کہا اچھا اوپر ہی اوپر ڈال دو یہ بھی مفید ہوتا ہے ۔"

"زنجیر میں ایک انگڑائی سی پیدا ہوتی تھی جس سے وہ تن جاتی تھی جیسے کوئی مخمور سانپ لہرا کر نکل گیا۔"

زبان و کلام :۔ مجمل، ہیئت، قبیل، مخمور کو اپنے جملوں میں استعمال کرایا جائے گا ۔

انفرادی بلند خوانی :۔ طلبا سے باری باری عبارت پڑھوائی جائے گی، اور اس دوران اس بات کی تاکید کی جائے گی کہ عبارت پڑھتے وقت نہ صرف لب و لہجے، تلفظ اور روانی کا خیال رکھیں بلکہ مکالمے کے طرز پر بھی پڑھنے کی کوشش کریں ۔

مزید مطالعے :۔ اپنے کتب خانے سے مضامینِ پطرس نکلوا کر پڑھیے ۔

سبق کا نمونہ نمبر 2

جماعت	نہم	تاریخ
مضمون	اردو (نثر)	گھنٹہ
عنوان	فطرت کی بزم نشاط (مولانا ابوالکلام آزاد "غبارِ خاطر" سے ماخوذ	

تدریسی مقاصد :۔

۔ طلبا کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرانا ۔

۔ طلبا میں باآواز بلند اور خاموش مطالعے کی مہارت پیدا کرانا ۔

۔ طلبا میں زود خوانی اور زود فہمی کی صلاحیت پیدا کرانا۔
۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے اسلوب بیان سے روشناس کرانا۔
۔ زبان و قواعد کا کام کرانا۔
۔ "غبارِ خاطر" پڑھنے کا شوق پیدا کرانا۔

سابقہ معلومات:۔ طلبا سرسید، حالی اور نذیر احمد کے اسلوب بیان سے واقف ہیں۔

تمہید: سابقہ اسباق کی بنیاد پر تمہیدی سوالات پوچھے جائیں گے۔
۔ آپ نے سرسید کا کون سا مضمون پڑھا ہے؟
۔ سرسید کے مضامین کی کیا خصوصیات ہیں؟
طلبا کے سوال و جواب کی روشنی میں استاد آج کے سبق سے طلبا کو متعارف کرائے گا۔

اعلان سبق:۔ اب آپ مجوزہ سبق "فطرت کی بزمِ نشاط" پڑھیں گے۔ اس سبق میں خصوصیت کے ساتھ زور تخیل اور قوت بیان پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

نمونے کی بلند خوانی:۔ استاد مناسب لب و لہجے کے ساتھ عبارت پڑھ کر سنائے گا پڑھتے وقت تلفظ، ادائیگی الفاظ اور روانی کا خیال رکھے گا۔

تلفظ کی مشق:۔ درج ذیل الفاظ کی مشق کرائی جائے گی اس طرح کہ ہر لفظ کو تختۂ سیاہ پر لکھا جائے گا اور پہلے استاد خود دو یا تین بار بآواز بلند تلفظ کی ادائیگی کرے گا۔ پھر انفرادی طور پر طلبا سے تلفظاً ادا کرائے گا۔ اسیرانِ قید و سمنِ طبا شیر۔

اخذ معنی:۔ درج ذیل الفاظ کے معنی طلبا سے اخذ کرائے جائیں گے اور ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کرایا جائے گا۔ اخذ معنی کے لیے تین طریقے اپنائے جائیں گے (۱) مرکب الفاظ کی تحلیل کا طریقہ (2) مترادف یا متضاد الفاظ کا طریقہ (3) سیاق عبارت کا طریقہ۔

لفظ	معنی
قندیلیں	شیشے کا ظرف جس میں بتی روشن کرتے ہیں (قندیل کی جمع)
اسیرانِ قید و محن	اسیران + قید و محن (قید و محن مترادف، معنی محنت و مشقت کی زندگی گزارنے والے قیدی)
جلوہ فروشیوں	جلوہ + فروشیوں : جلوہ بیچنا بمعنی جلوہ دکھانا
طبا شیر	بنس لوچن مجازاً اول صبح کی روشنی
گلگوں	گلاب کے رنگ کا۔ گلابی

خاموش مطالعہ :۔ طلبا خاموشی کے ساتھ عبارت کا مطالعہ کریں گے، استاد اُن کی نگرانی کرے گا۔ خاموش مطالعہ شروع کرنے سے پہلے طلبا کو ہدایت کر دی جائے گی کہ عبارت پڑھتے وقت صرف نظر سے کام لیں، ہونٹ نہ ہلنے پائیں اور نہ کوئی آواز نکلے۔

تفہیم عبارت:۔ تفہیم عبارت کی جانچ کے لیے طلبا سے مندرجہ ذیل سوالات پوچھے جائیں گے۔ سوال و جواب کے دوران زبان و بیان کی خوبیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

• "قید خانے کی چار دیواری کے اندر بھی سورج روز چمکتا ہے"۔۔۔ اس جملے سے کس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

• "چاندنی راتوں نے کبھی قیدی اور غیر قیدی میں امتیاز نہیں کیا"۔ اس جملے سے کس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

• آسمان کی قندیلوں سے کیا مراد ہے؟

• اسیرانِ قید و محن کس کو کہا گیا ہے اور کیوں؟

• "صبح جب طلا شیر بکھیرتی ہوئی آئے گی"۔۔۔ اس جملے میں طلا شیر بکھیرنے سے کس کیفیت کی طرف اشارا کیا گیا ہے؟

• عشرت سرا کے دریچوں سے کیا مراد ہے؟ (طلبا کے جواب کی روشنی میں استاد اس بات کی طرف اشارہ کرے گا کہ عشرت سرا بحیثیت ایک استعارہ استعمال ہوا ہے)

• قید خانے کے ۔۔۔ زنوں سے لگی ہوئی نگاہوں سے اسیروں کی کس کیفیت کا اظہار ہوتا ہے؟

• "فطرت ..... کسی کو محروم کر دے"۔۔۔ اس جملے سے فطرت کی کونسی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے؟

اسلوب بیان:۔ عبارت کی خوبیاں دریافت کرانے کے لیے شاگردوں سے حسب ذیل سوالات پوچھے جائیں گے۔

۔۔ مولانا آزاد کے اسلوب بیان کی کیا خصوصیات ہیں؟

۔۔ اس مضمون کا عنوان فطرت کی بزم نشاط کیوں رکھا گیا ہے؟

شاگردوں کے جواب کی بنیاد پر حسب ذیل پہلوؤں کی جانب طلبا کی توجہ مبذول کرائی جائیگی۔

۱۔ مولانا آزاد کا اسلوب بیان بہت شگفتہ ہے۔

۲۔ اس کے اندر تخیل کی بے پناہ پرواز ہے۔

۳۔ تحریر میں استدلال اور زور بیان پایا جاتا ہے۔

۴۔ مصنف کی معلومات بہت وسیع ہیں۔

زبان کا کام :۔ درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کرایا جائے گا اور اس بات پر زور دیا جاتے گا کہ طالب علم اچھے اور بامعنی جملے بنائیں اور لکھیں۔

اسیرانِ قید دمن
جلوہ فروش
طباشیر
گلگوں

انفرادی بلند خوانی :۔ آخر میں طلبا سے باری باری عبارت پڑھوائی جائے گی۔ بلند خوانی کے دوران الفاظ کے تلفظ، ادائیگی اور روانی کا خاص طور سے خیال رکھا جائے گا۔

مزید مطالعہ :۔ یہ اقتباس "غبارِ خاطر" سے ماخوذ ہے۔ غبارِ خاطر ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جو مولانا نے قلعۂ احمد نگر کی اسیری کے زمانے میں تحریر فرمائے تھے۔ اپنے کتب خانے سے 'غبارِ خاطر' نکلوا کر پڑھیے۔

سبق کا نمونہ نمبر 3

جماعت	ششم	تاریخ	
مضمون	اردو (نظم)	گھنٹہ	
عنوان	نظم 'زیل' (بے نظیر شاہ وارثی)		

تدریسی مقاصد :۔

— طلبا میں اس بات کی مہارت پیدا کرانا کہ وہ مصرعوں کی موزونیت کے ساتھ نظم پڑھ سکیں۔
— طلبا میں اس بات کی صلاحیت پیدا کرانا کہ وہ بیانیہ نظم سے لطف اندوز ہو سکیں۔ اشعار کے وزن اور آہنگ کی تحسین کر سکیں اور بے نظیر کے اسلوب سے واقفیت پیدا کر سکیں۔
— طلبا میں اس بات کی دلچسپی پیدا کرانا کہ وہ شوق سے بیانیہ نظمیں پڑھ سکیں۔

سابقہ معلومات :۔ طلبا مناظر فطرت پر اسمٰعیل میرٹھی کی نظم 'شفق' پڑھ چکے ہیں۔

تمہید :۔ تحریک ذہنی پیدا کرنے کے لیے استاد حسب ذیل سوالات طلبا سے پوچھے گا۔
— آپ نے اس سے پہلے کون سی نظم پڑھی ہے ؟
— اس نظم میں کون سا منظر پیش کیا گیا ہے ؟

اعلانِ سبق :۔ طلبا کے جوابات کی روشنی میں استاد سابقہ نظموں کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے نظم 'ریل' کو متعارف کرے گا' اور طلبا کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائے گا کہ اسٹیشن پر ریل کے آنے اور اسٹیشن سے ریل چھوٹنے کا منظر جو شاعر نے پیش کیا ہے' خصوصیت کے ساتھ ذہن نشین کریں اور اُس سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کریں۔

نمونے کی بلند خوانی :۔ استاد نظم 'ریل' پڑھ کر سُنائے گا۔ پڑھتے وقت مصرعوں کی موزونیت' آہنگ اور تاثر کا خاص طور سے خیال رکھے گا۔

اجمالی جائزہ :۔ نظم کی جانب طلبا کی توجہ مبذول کرانے کے لیے استاد سوال و جواب اور بات چیت کا پیرایہ اختیار کرے گا۔

۔ اس نظم میں کس بات کا ذکر کیا گیا ہے؟

۔ ریل آنے کے وقت پلیٹ فارم کا کیا منظر ہوتا ہے؟

۔ ریل چھوٹتے وقت مسافروں کی کیا حالت ہوتی ہے؟

تفصیلی جائزہ :۔ (ریل کے آنے اور چھوٹنے کے وقت جو کیفیت ہوتی ہے اس کا شاعر نے کس طرح اور کتنے اچھے ڈھنگ سے ذکر کیا ہے۔ اس کی جانب فرداً فرداً اشعار کی مدد سے اشارہ کرنے اور اس سے لطف اندوز کرانے کے لیے درج ذیل سوالات پوچھے جائیں گے۔ طلبا کے جوابات کی بنیاد پر حسبِ ضرورت شعر کی تشریح کی جائے گی۔ تشبیہات' استعارے اور تراکیب کی جانب متوجہ کراتے ہوئے نظم کے آہنگ سے لطف اندوز کرایا جائے گا۔ الفاظ اور تراکیب کے معنی طلبا سے اخذ کرائے جائیں گے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ اخذِ معنی' نظم کے ماحول اور لطف اندوزی کے عمل میں مخل نہ ہو۔)

- "دھواں دور سے کچھ دکھانے لگی"۔۔۔ اس مصرعے میں کس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟
- 'سگنل گرانے' اور 'پائنٹ ملانے' سے کیا مراد ہے؟
- تیسرے شعر میں سڑکوں کے پھاٹک آنے اور ہری جھنڈیاں دکھانے سے شاعر کس پہلو کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے؟
- "ہوا لینا دینا ٹکٹ کا بھی ترک"۔۔۔ کس بات کی علامت ہے؟
- "جو انجن کے تیور بدلنے لگے ؛ مسافر یکایک سنبھلنے لگے"

اس شعر میں تیور بدلنے سے کیا مراد ہے؟

- "مقامِ توقف پہ ٹھہری یہ ریل ؛ تو ہونے لگی کچھ عجب ریل پیل"

پہلے مصرعے میں مقام توقف کس کو کہا گیا ہے اور کیوں؟

• ریل ٹھہرنے کے بعد خوانچے والے کی کیفیت کو شاعر نے جس شعر میں پیش کیا ہے، پڑھ کر سنائیے۔

• "کوئی لے کے لوٹا چلا بہر آب ؛ پکارا کوئی پانی لاؤ شتاب"

دوسرے مصرعے سے کس کیفیت کا اظہار ہوتا ہے؟ (اس کیفیت کو شاعر نے کس خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا ہے اس کی جانب خصوصیت کے ساتھ اشارہ کیا جائے گا)

• "پھر اتنے میں سب ہو چکیں گھنٹیاں" سے کیا مراد ہے؟

• "ہوئی ریلوے کمپنی بھی خسیس" اس مصرعے میں ریل کمپنی کو خسیس کیوں کہا گیا ہے؟

• "ہے گو تیسرے میں بہت اژدہام ؛ مگر پہلا درجہ ہے خالی تمام"

اس شعر میں پہلے اور تیسرے کے فرق کو ظاہر کرنے کے لیے جو خوبصورت پیرایہ اختیار کیا گیا ہے، اس کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

استحسانِ نظم:۔ یہ دریافت کرنے کے لیے کہ طلبا کس حد تک اس نظم سے لطف اندوز ہو چکے ہیں حسب ذیل سوالات پوچھے جائیں گے۔

۔اس نظم میں کس بات کا ذکر کیا گیا ہے؟

۔اس نظم میں آپ کو کون سا شعر پسند آیا اور کیوں؟

اسلوبِ بیان:۔ اس نظم میں اسٹیشن کے منظر کی بہت عمدہ عکاسی کی گئی ہے خاص طور سے اسٹیشن پر ریل کے آنے اور اسٹیشن سے ریل کے چھوٹنے کی حقیقی تصویر پیش کی گئی ہے۔ نظم میں بڑی روانی ہے اور اندازِ بیان بہت سادہ اور دلنشیں ہے۔

انفرادی بلند خوانی:۔ طلبا سے باری باری نظم پڑھوائی جائے گی۔ اس دوران مناسب لب و لہجے کے ساتھ پڑھنے پر زور دیا جائے گا۔

سبق کا نمونہ نمبر 4

جماعت ہفتم تاریخ:۔

مضمون اردو (نظم) گھنٹہ:۔

عنوان برسات کی بہاریں (محسن کاکوروی کے قصیدے کا ایک اقتباس)

تدریسی مقاصد:۔

۔طلبا میں اس بات کی مہارت پیدا کرنا کہ وہ صحیح وزن، بحر اور مصرعوں کی موزونیت کے ساتھ نظم پڑھ سکیں۔

- طلبا کو شاعری کی ایک مخصوص صنف قصیدے سے روشناس کرانا۔
- بہاریہ تشبیب سے لطف اندوز کرانا۔
- محسن کاکوروی کے انداز بیان سے واقف کرانا۔
- طلبا میں اس بات کا شوق پیدا کرانا کہ وہ پورا قصیدہ پڑھیں اور اس سے لطف اندوز ہوں۔

سابقہ معلومات:- طلبا حالی اور چکبست کی نظمیں پڑھ چکے ہیں۔

تمہید:- طلبا میں تحریک ذہنی پیدا کرانے کے لیے استاد سابقہ نظموں سے متعلق مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گا۔

- آپ نے اس سے پہلے کون سی نظم پڑھی ہے؟
- نظم میں کون سا منظر پیش کیا گیا ہے؟

(طلبا کے جواب کی روشنی میں استاد بتائے گا کہ آپ نے جو نظمیں پڑھی ہیں، وہ بیانیہ نظم کہلاتی ہیں۔ نظم ہی کی ایک قسم قصیدہ ہے۔ یہ اشعار جو آپ کو پڑھ کر سنائے جائیں گے، قصیدے کے شروع کے ہیں۔ قصیدے کے شروع کے حصے کو تشبیب کہتے ہیں۔)

اعلانِ سبق:- اب آپ کو "برسات کی بہار" نظم پڑھ کر سنائی جائے گی۔ غور سے سنیے اور دیکھیے کہ شاعر نے کس خوبی کے ساتھ برسات کی بہار کا ذکر چھیڑا ہے۔

نمونے کی بلند خوانی:- نظم پڑھ کر سناتے وقت تلفظ، مصرعوں کی موزونیت، آہنگ اور لب و لہجے کا خاص طور سے خیال رکھا جائے گا اور اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ ان اشعار میں جو صوتی موسیقی کی کیفیت پائی جاتی ہے اس کی طرف خاطر خواہ اشارہ ہو سکے۔

نظم کا اجمالی جائزہ:- نظم سن کر طلبا کے ذہن میں جو اجمالی تصویر ابھرتی ہے، اس کا اُن سے حسب ذیل سوالات کی مدد سے اظہار کرایا جائے گا۔

- اس نظم میں کون سا منظر پیش کیا گیا ہے؟
- اس نظم میں کس ملک کے موسم برسات کا ذکر کیا گیا ہے؟
- برسات کے موسم میں آسمان کی کیا کیفیت نظر آتی ہے؟

نظم کا تفصیلی جائزہ:- اس اجمال کی تفصیل کے دوران یہ اجاگر کرانے کی کوشش کریگا کہ برسات کی نظر کشی میں شاعر نے مختلف انداز سے رنگ آمیزی کی ہے۔ اس سے لطف اندوز کرانے کے لیے استاد طلبا سے باری باری ایک ایک شعر پڑھوائیگا اور بات چیت اور سوال و جواب کے پیرائے میں ادبی محاسن سے روشناس

کرائے گا۔

• "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" ــــ اس مصرعے میں کس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟
(کاشی اور متھرا میں جو قدر مشترک ہے اس کی طرف طلبا کو متوجہ کرایا جائے گا۔)

• "برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل" ــــ سے کیا مراد ہے؟ اس شعر کو دوبارہ پڑھوایا جائے گا۔ کاشی اور متھرا کی رعایت سے گنگا جل کی معنویت کی جانب اشارہ کیا جائیگا۔

• دوسرے شعر میں سرو قدان گوکل کس کو کہا گیا ہے اور کیوں؟
(سرو قدان گوکل کی ترکیب پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی جائے گی)

• جمنا پہ نہانے کو طول عمل کیوں کہا گیا ہے؟

• "کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پہ بادل" ــ اس مصرعے میں شاعر نے بادلوں کی کس کیفیت کو پیش کیا ہے؟ (تیرتھ کی معنویت پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی جائے گی۔)

• "نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی؛ پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل"
(اس شعر میں بہت معمولی سی بات کہی گئی ہے لیکن کہنے کا ڈھنگ اتنا اچھا ہے کہ شعر پڑھنے میں لطف آتا ہے۔)

• "سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل" ــ سے کس پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟
(سینۂ تنگ اور بے کل دل کی تشریح کی جائے گی۔)

• راکھیاں لے کے سلونو کی برہمن نکلیں" ــ یہاں سلونو کی راکھیوں سے کیا مراد ہے؟ (اس مصرعے میں سلونو کی رعایت سے راکھی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔)

• "تار بارش کا جو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل" ــ اس مصرعے میں بارش کا تار ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ (اس مصرعے میں ایک موسیقی کی کیفیت نظر آتی ہے اس کی جانب اشارہ کیا جائے گا۔)

• قطعۂ چرخ میں ہیں پھول بھلیاں بادل" ــ اس مصرعے میں بادلوں کو پھول بھلیاں کیوں کہا گیا ہے؟

• "شاخ پر پھول، زمین پر سنبل" ــ سے کس پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

• "سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سوار و پیدل" سوار و پیدل سے کس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

• اس شعر میں پھول کو سوار سے اور سنبل کو پیدل سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے؟

<u>استحسان نظم</u>:۔ نظم کے آخر میں یہ دیکھنے کے لیے کہ کس حد تک استحسان نظم کی کیفیت پیدا ہوئی، حسب ذیل سوالات پوچھے جائیں گے۔

- اس نظم میں کس موسم کی کیفیت بیان کی گئی ہے؟
- اس نظم میں آپ کو کون سا شعر پسند آیا؟
- پسندیدہ شعر میں آپ کو کیا خوبی نظر آئی؟

اسلوب بیان :۔ شاعر نے ہندوستان کے موسم بہار کی ایک جیتی جاگتی تصویر الفاظ میں کھینچی ہے اور ایسے الفاظ اور تراکیب کا استعمال کیا ہے جو پورے ماحول اور منظر سے بخوبی ہم آہنگ ہوں۔ انداز بیان بہت ہی شگفتہ اور دلکش ہے۔

انفرادی بلند خوانی :۔ طلبا سے باری باری نظم پڑھوائی جائے گی۔ پڑھتے وقت تلفظ، روانی اور مصرعوں کی موزونیت کی طرف خاص طور سے دھیان دلایا جائے گا۔

سبق کا نمونہ نمبر 5

جماعت	نہم	تاریخ :۔
مضمون	اردو (نظم)	گھنٹہ :۔
عنوان	ہمالہ (اقبالؒ کی ایک نظم)	

تدریسی مقاصد :۔

- طلبا کو بیانیہ نظم کے اسلوب سے روشناس کرانا۔
- طلبا کو نظم 'ہمالہ' سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت پیدا کرانا۔
- طلبا کو اقبالؔ کے اسلوب بیان سے متعارف کرانا۔
- طلبا میں حبّ الوطنی کا جذبہ پیدا کرانا۔
- طلبا میں بیانیہ نظمیں پڑھنے اور یاد کرنے سے دلچسپی پیدا کرانا۔

سابقہ معلومات :۔ طلبا اسمٰعیل میرٹھی کی نظمیں پڑھ چکے ہوں گے۔

تمہید :۔ یہاں سابقہ معلومات کی بنیاد پر تمہید نہیں اٹھائی جائے گی، بلکہ اقبالؔ کے ایک شعر سے ہی طلبا میں تحریک ذہنی پیدا کی جائے گی۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ؛ ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

استاد طلبا سے اس شعر کے بارے میں دریافت کرے گا۔

یہ شعر کس شاعر کا ہے؟

طلبا میں سے چند یقیناً ایسے نکل آئیں گے، جو یہ جواب دیں گے، یہ شعر اقبالؔ کا ہے۔ پھر استاد

یہ دریافت کرے گا کہ اس شعر میں کس جذبے کی ترجمانی کی گئی ہے۔

اعلانِ سبق :۔ سوال و جواب کی روشنی میں استاد اقبال کی وطنی شاعری کو اجاگر کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور اس ضمن میں نظم 'ہمالہ' کو متعارف کرائے گا۔

نمونے کی بند خوانی :۔ استاد مناسب لب و لہجے کے ساتھ نظم پڑھ کر سنائے گا۔ طلبا اپنی کتابوں میں دیکھیں گے اور غور سے سنیں گے۔

اجمالی جائزہ :۔ نظم کی جانب طلبا کو متوجہ کرانے کے لیے حسب ذیل سوالات پوچھے جائیں گے۔

- اس نظم میں کس چیز کا ذکر کیا گیا ہے؟
- 'ہمالہ' سے شاعر کیوں خطاب کرنا چاہتا ہے؟
- ہندوستان کے شمال میں ہمالہ کی کیا حیثیت ہے؟

نظم کا تفصیلی جائزہ :۔ طلبا کے جواب کی روشنی میں استاد ان سے کہے گا کہ اس نظم میں شاعر نے 'ہمالہ' سے خطاب کیا ہے۔ آئیے دیکھیں شاعر نے ہمالہ کو کس کس نظریے سے دیکھا ہے اور اس کی عظمت کا اس کو کس قدر احساس ہے۔

نظم سے لطف اندوز کرانے کے لیے ہر بند کو طلبا سے پڑھوایا جائے گا۔ اشعار کی خصوصیات کی جانب انھیں متوجہ کرایا جائے گا' اور تشبیہات اور استعارات کی مدد سے محاسن شعری اجاگر کیے جائیں گے۔

بند نمبر 1 - فصیلِ کشورِ ہندوستاں کس کو کہا گیا ہے اور کیوں؟

'چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں' اس مصرعے میں کس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

دیرینہ روزی سے کیا مراد ہے؟

گردشِ شام و سحر سے کس پہلو کی طرف اشارہ ہے؟

'ایک جلوہ تھا کلیم طورِ سینا کے لیے' اس مصرعے میں کس واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

'تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے' سے کیا مراد ہے؟

بند نمبر 2- دیدۂ ظاہر سے کیا مراد ہے؟

شاعر نے 'ہمالہ' کو پاسباں کیوں کہا ہے؟

'مطلعِ اول فلک جس کا ہے وہ دیواں ہے تو' سے کس پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

'سوئے خلوت گاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تو' سے کس کیفیت کی عکاسی ہوتی ہے؟

'برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر' مصرعے میں دستارِ فضیلت باندھنے سے کیا مراد ہے؟

'خندہ زن ہے جو کلاہ مہر عالم تاب پر' دستار فضیلت کو خندہ زن کیوں کہا ہے؟

بند نمبر 3۔ عہد کہن کو عمر رفتہ کی آن کیوں کہا ہے؟

کالی گھٹا میں خیمہ زن ہونے سے کیا مراد ہے؟

ثریا سے سرگرم سخن ہونے سے کس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

آئینہ سیماب کس کو کہا گیا ہے اور کیوں؟

دامن موج ہوا کو رومال کیوں کہا گیا ہے؟

استحسان نظم:۔ اس نظم کا مرکزی خیال کیا ہے؟

اس نظم میں آپ کو کون سا شعر پسند آیا؟

پسندیدہ شعر میں کیا خاص بات ہے؟

اسلوب بیان:۔ بیانیہ نظموں میں یہ ایک بہت عمدہ نظم ہے، جس میں شاعر نے بھرپور تخیل آرائی سے اس میں حسین بندشیں ہیں اور کلام میں بہت زور بیان پایا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے اقبال ۔ حب وطن کا جذبہ ابھارا ہے۔

انفرادی بلند خوانی:۔ طلبا سے باری باری نظم کے بند پڑھوائے جائیں گے اور اس بات پر زور دیا جائے گا کہ پڑھتے وقت تلفظ، مصرعوں کی موزونیت اور آہنگ کا خیال رکھیں۔

سبق کا نمونہ نمبر 6

جماعت نہم تاریخ :۔

مضمون اردو (نظم) گھنٹہ :۔

عنوان غزل (کیفی اعظمی)

تدریسی مقاصد:۔

۔ طلبا میں اس بات کی مہارت پیدا کرانا کہ وہ صحیح وزن اور آہنگ کے ساتھ غزل پڑھ سکیں۔

۔ طلبا کو کیفی اعظمی کی غزل سے لطف اندوز کرانا اور ان کے احساس جمال کو بیدار کرانا۔

۔ طلبا کو کیفی اعظمی کے اسلوب بیان سے روشناس کرانا۔

۔ طلبا میں اس بات کا شوق پیدا کرانا کہ وہ غزل کے پسندیدہ اشعار کا انتخاب کر سکیں۔

سابقہ معلومات:۔ طلبا میر، غالب اور حسرت کی غزلیں پڑھ چکے ہیں۔

تمہید: طلبا میں تحریک ذہنی پیدا کرانے کے لیے استاد درج ذیل سوالات پوچھے گا۔

۔آپ نے غالب کی کون کون سی غزلیں پڑھی ہیں؟

۔اس غزل میں کس قسم کے مضامین باندھے گئے ہیں؟

(طلبا کے جواب کی روشنی میں استاد مختصر الفاظ میں یہ بتانے کی کوشش کرے گا کہ عام طور سے غزلوں میں عشق و محبت، ہجر و وصال، شیشہ و پیمانہ اور مستی و سرشاری کا ذکر ہوتا ہے۔ لیکن دورِ جدید کی غزلیات میں غمِ جاناں کے ساتھ ساتھ غمِ دوراں کا بھی بہت چرچا ہوا ہے۔)

اعلان سبق:۔آج آپ کیفی اعظمی کی ایک ایسی ہی غزل پڑھیں گے۔ کیفی اعظمی اردو کے جانے پہچانے شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں سماجی شعور کی گہری چھاپ ہے۔ غور سے پڑھیے اور دیکھیے کہ شاعر نے کتنے سادے مگر دلنشیں انداز میں گاؤں کی یاد تازہ کی ہے۔ غزل گاؤں کے ہی پس منظر میں شروع ہوتی ہے اور گاؤں کی ہی یاد پر ختم ہوتی ہے۔ عام طور سے غزلوں کے اشعار منفرد اور موضوعات کے اعتبار سے منتشر ہوتے ہیں لیکن اس غزل میں موضوعات کے انتشار کے باوجود ایک کیفیاتی وحدت پائی جاتی ہے۔ اس سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کیجیے۔

نمونے کی بلند خوانی:۔استاد مناسب لب و لہجہ کے ساتھ غزل پڑھ کر سنائے گا۔ غزل خوانی کے دوران وزن، بحر اور آہنگ کا خاص طور سے خیال رکھے گا۔

اجمالی جائزہ:۔غزل کے موڈ یا کیفیاتی وحدت سے روشناس کرانے کے لیے استاد سوال و جواب کا پیرایہ اختیار کرے گا۔

۔اس غزل میں کون سے موضوعات باندھے گئے ہیں؟

۔اس غزل میں کون سی کیفیاتی وحدت نظر آتی ہے؟

۔گاؤں سے شاعر کی کیا کیا یادیں وابستہ ہیں؟

تفصیلی جائزہ:۔غزل سے لطف اندوز کرانے کے لیے تمام اشعار فرداً فرداً پڑھوائے جائیں گے پھر باری باری تمام اشعار کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔ اس دوران علامتوں اور استعاروں کی جانب خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی جائے گی۔

پہلا شعر۔ ہاتھ آکر لگا گیا کوئی ؛ میرا چھپر اٹھا گیا کوئی

اس شعر میں کس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟ سوال و جواب کے دوران اس پہلو کو اجاگر کرایا جائے گا کہ شاعر کو اپنا بچپن، جو گاؤں میں گزرا ہے، یاد آرہا ہے۔ جہاں انسان خود کو اکیلا نہیں محسوس کرتا بلکہ بہت سے لوگ مل کر مشکل سے مشکل کام کو آسان بنا دیتے ہیں۔ باہمی تعاون اور

اشتراک عمل گاؤں کی خصوصیت ہے۔ گاؤں میں آج بھی چھپر اٹھانے کے لیے اڑوس پڑوس کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔

دوسرا شعر: لگ گیا اک مشین میں بھی ؛ شہر میں لے کے آگیا کوئی

مشین میں لگنے سے کیا مراد ہے ؟

طلبا کے جوابات کی بنیاد پر شعر کی تشریح کی جائے گی اور یہ بتایا جائے گا کہ شہر میں انسان مشین کا ایک پرزہ بن کر رہ گیا ہے مشینی تہذیب میں احساس مروت کچل دیے جاتے ہیں اور شخصیت نا آسودہ رہتی ہے۔

تیسرا شعر: میں کھڑا تھا کہ پیٹھ پر میری ؛ اشتہار اک لگا گیا کوئی

اس شعر میں کس کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ؟

(یہاں اشتہاری اور تجارتی زندگی کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔)

چوتھا شعر: ایسی مہنگائی ہے کہ چہرہ بھی ؛ بیچ کے اپنا کھا گیا کوئی

اس شعر میں چہرہ بیچ کھانے سے کیا مراد ہے ؟

طلبا سے بات چیت کے دوران روز افزوں مہنگائی اور اس کے عواقب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پانچواں شعر: اب وہ ارمان ہے نہ سینے میں ؛ سب کبوتر اڑا گیا کوئی

اس شعر میں ارمان اور سینے کو کبوتر کیوں کہا گیا ہے ؟

یہ ایک خوبصورت استعارہ ہے۔ آرزوؤں اور خوابوں کی شکست و ریخت کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ استعارے میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کی معنوی خوبیوں سے طلبا کو لطف اندوز کرایا جائے گا۔

چھٹا شعر: میرا بچپن بھی ساتھ لے آیا ؛ گاؤں سے جب بھی آگیا کوئی

اس شعر میں شاعر کس زمانے کو یاد کر رہا ہے ؟ اس کی تشریح کے دوران یہ بتایا جائے گا کہ جب بھی کوئی گاؤں سے شہر کی جانب آتا ہے، تو شاعر کو اس کا بچپن یاد آجاتا ہے اور بچپن کی ساری یادیں جو گاؤں سے وابستہ ہیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

استحسان غزل :- اس غزل کو پڑھ کر طلبا کس قدر لطف اندوز ہوئے ہیں، اس کا اندازہ لگانے کے لیے حسب ذیل سوالات پوچھے جائیں گے۔

- بچپن سے شاعر کی کون سی یادیں وابستہ ہیں ؟

- دیہی اور شہری زندگی کے فرق کو شاعر نے کس انداز میں پیش کیا ہے ؟

- اس غزل میں آپ کو کون سا شعر پسند آیا ؟

- پسندیدگی کی وجہ کیا ہے ؟

اسلوبِ بیان :- کیفی اعظمی ایک بیدار ذہن شاعر ہیں۔ ان کی شاعری عصری حسیت کا مظہر ہے۔ اور زندگی سے بھرپور رشتہ رکھتی ہے۔ انھوں نے اس غزل میں اپنے شعری تجربے کو خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ طرزِ بیان سادہ ہونے کے باوجود شگفتہ اور پُراثر ہے۔

انفرادی بلند خوانی :- طلبا سے باری باری غزل پڑھوائی جائے گی اور اس بات کی تاکید کی جائے گی کہ غزل پڑھتے وقت وزن، بحر اور آہنگ کا خیال رکھیں۔

مزید مطالعہ :- کیفی اعظمی کا مجموعہ کلام "آوارہ سجدے" مکتب خانے سے منگوا کر پڑھیے اور ان کی شاعری سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کیجیے۔

سبق کا نمونہ نمبر 7

جماعت	ہشتم	تاریخ :-
مضمون	اردو (انشا)	گھنٹہ :-
عنوان	"انتخابات کی چہل پہل"	

عام مقاصد :-

- استدلال کے ساتھ اپنے خیالات کو ضبطِ تحریر میں لاسکیں۔

- بامحاورہ اور صحیح اردو لکھ سکیں۔

- اپنا ایک اسلوبِ نگارش اختیار کر سکیں۔

خاص مقاصد :-

- اس عنوان کے تحت اس طرح مضمون لکھ سکیں کہ انتخابات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے۔

- مضمون کو دلچسپ بنانے کی صلاحیت پیدا ہوسکے۔

- انتخابات کے سلسلے میں عام معلومات حاصل کی جاسکے۔

سابقہ معلومات :- حال ہی میں انتخابات ہو چکے ہیں۔ طلبا نے ان کا نقشہ دیکھا ہے اور متعلقہ جلسوں میں خود شریک ہوئے ہیں۔

تمہید :-

- آپ کے مدرسے کی مجلس طلبہ کا کیا نام ہے ؟

۔آپ کی مجلس کے عہدہ داران کیسے بنتے ہیں؟

۔آج ہم آپ کی مجلس طلبہ کے انتخابات کے سلسلے میں ایک مضمون لکھنا چاہتے ہیں بتائیے اس مضمون کا کیا عنوان رکھنا چاہیے؟

طلبا کی مدد سے عنوان طے کیا جائے گا۔

زبانی اظہار خیال:۔ طلبا سے مضمون کے مختلف نکات پر اظہار خیال کرایا جائے گا اور نکات کو تختۂ سیاہ پر لکھ کر مضمون کا خاکہ تیار کیا جائے گا۔

انتخاب کی نوعیت
انتخاب کی ضرورت
انتخاب کی تیاری
انتخاب کا انتظام
انتخاب کا دن
نتیجے کا اعلان
خاتمہ (تاثرات)

ہدایات:۔ مندرجہ بالا خاکے کو ذہن میں رکھتے ہوئے مضمون لکھیے۔ مضمون لکھتے وقت درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھیے۔

۱۔ سیدھے بیٹھ کر لکھیے۔
۲۔ حاشیہ چھوڑ کر لکھیے۔
۳۔ پارہ بندی کا خیال رکھیے۔
۴۔ سیدھی سطریں لکھیے۔
۵۔ صحت زبان کا خیال رکھیے۔
۶۔ صاف صاف لکھیے۔

مضمون نویسی:۔ طلبا مضمون لکھنا شروع کریں گے استاد نگرانی کرے گا، اور انفرادی طور پر طلبا پر توجہ رکھے گا۔

اصلاح:۔ استاد انفرادی طور پر مضمون کی اصلاح کرے گا اور مضمون کی خامیوں پر اجتماعی طور پر کمرہ جماعت میں گفتگو کرے گا۔